سلسلہ تردیدِ الحاد : ۱۰

وجودِ معجزات: عقلیت، فلسفے اور سائینس کی روشنی میں

مرتبہ

ڈاکٹر محمد علی جنید

مصنفین

ڈاکٹر محمد علی جنید مولانا عبدالباری ندوی ؒ

جامعہ کراچی دارالتحقیق برائے علم و دانش

Karachi University Research Forum

سلسلہ تردیدِ الحاد اول: ۰۱

وجودِ معجزات:عقلیت،فلسفہ اور سائینس کی روشنی میں©

۲۰۱۷۔۹۔۱۹ :عیسویں۔

مرتبہ:سرورق۔فہرست،تہذیب،ٹائٹل و پیشکش:ڈاکٹر محمد علی جنید۔

مصنفین:
حصہ اول:ڈاکٹر محمد علی جنید۔
حصہ دویم:مولانا عبدالباری ندویؒ۔

www.facebook.com/kurf.ku
www.facebook.com/groups/kurfku
www.kurfku.blogspot.com

جامعہ کراچی دارُالتحقیق برائے علم و دانش
Karachi University Research Forum

یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے جسکا اول حصہ بمعہ تعارفِ مولانا عبدالباری ندوی ؒ ،ڈاکٹر محمد علی جنید کا تحریر کردہ ہے جبکہ حصہ دویم مولانا عبدالباری ندوی،سابقہ صدر نشین ۔شعبہ فلسفہ:جامعہ عثمانیہ،حیدرآباد دکن کا تحریر کردہ ہے جو انھونے شبلیؒ و سلیمان ندویؒ کی سیرت النبی کی کتاب المعجزات[۱] :کے لئے تحریر کیا تھا،ڈاکٹر محمد علی جنید نے اسکو نئی تہذیب ،کچھ سرخیوں کی ترتیب،و معمولی تبدیلیوں کے ساتھ کلر میں پیش کیا ہے۔

۱۔شبلی و ندویؒ۔سیرت النبی:حصہ سویم۔

حصه اول

تعارفِ :مولانا عبدالباری ندویؒ

آج ہم جس بطل جلیل اور نادرِ روزگار شخصیت کا احوالِ جلیلہ قارئین کی بارگاہ میں پیش کرنے جارئے ہیں ،انکا نام مولانا پروفیسر،عبدالباری ندوی ؒسابق صدر نشین،شعبہ فلسفہ،جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن ہے ،تو تم سب یہ جان لو کہ ہمارے پیارے،

مولانا کا خاندان و تعلق:

مولانا عبدالباری ندوی ؒ لکھنو ،اعظم گڑھ میں ضلع برابنکی میں ایک متصوفانہ خاندان میں پیدا ہوئے(۱۸۸۶)،اپکے والد محترم حکیم عبدالخالق ،مولنا محمد ندیم فرنگی محلی کے مرید بتائے جاتے ہیں،اور ایک بیان کی رو سے انکے بھائی جناب سعد الدین انصاری صاحب جامعہ ملیہ ،دھلی کے بانی اراکین میں سے گنوائے جاتے ہیں۔اور مورخہ تیس جون ،۱۹۷۶ میں اپکا ارتحال لکھنو ،میں ہوا اولادوں میں آپ نے چار بیٹے اور دو بیٹیاں چھوڑیں۔

مولانا کا علم اور مقام بیان کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے،آپ ایک عظیم محقق،فلسفی،عالم،اور مترجم تھے،اپکی تحریروں سے گمان غالب یہی ہے کہ اعلی معیار کے مقرر و مدرس بھی ہونگے؟

دارالمصنفین و شبلی ؒ کی شاگردی:

آپ دارالمصنفین ،اعظم گڑھ کے اولین محققین و بانیوں میں سے ایک تھے جیسا کہ واضح ہے کہ اس دور کے اوردو زبان کے بڑے بڑے ادیبوں،محققوں ،مورخوں،نقادوں،شعرا وں و نثر نگاروں نے ندوۃالعلما اور دارالمصنفین سے اپنا تعلق مسلمناں ہند کی فلاح و بہود کے لئے بنایئے رکھا اور ساتھ ساتھ اسلاف کے علمی سرمایہ کی ترقی کو بھی اپنا شیوہ حیات بنایا ہوا تھا۔

مولانا ندوۃالعلما سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد کئی تعلیمی درسگاہوں سے وابستہ رہے جیسے،احمد آباد کے گجرات کالج،پونے کے دکن کالج اور سب سے نمایاں،حیدرآباد دکن کی شان و ناک جامعہ عثمانیہ سے بھی بسلسلہ تدریس وابستہ رہے اور شعبہ فلسفہ کے منتظم پروفیسر کے طور پر فارغِ دفتر ہوئے ۔

ندوہ میں آپ علامہ شبلی نعمانی ؒ کے شاگرد بتائے جاتے ہیں ساتھ ساتھ ،مولانا حمید الدین فراہی جیسے معقولی مفسر سے بھی بعض بیانات کی رو سے استفادہ علمی کیا ، ہم محسوس کرتے ہیں کہ : کچھ حد تک انکی تحریریں شبلی و فراہی اسلوب کو ظاہر کرتی

نظر آتی ہیں مگر اسلوبِ شبلی کا رنگ تمام ندوہ کی تحریروں سے چھلکنا عام بات ہے ، جبکہ اس میں کسی دوسرے رنگ و اثر کو تلاش کرنا ایک قابل تحقیق امر ہے۔

<u>مولانا کے ہم عصر:</u>

جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ آپ کے ہم عصر علما و محققین کون کون تھے تو سر دست اس ضمن میں مولانا سید سلیمان ندوی صاحب ؒ[1] کو اپکے ساتھ شبلی کی شاگری کے سبب خاص تعلق تھا انکے علاوہ،مولانا عبدالماجد دریاآبادیؒ،مولانا عبدالسلام ندوی ؒ،اور مناظر احسن گیلانی ؒ بھی خاص الخاص ہیں اگر میں مناظر احسن گیلانی کے شاگرد ڈاکٹر حمید اللہ ؒ ،ڈاکٹر ذاکر حسین،ڈاکٹر محمود حسین،مولانا ابو الکلا م آزاد ،ؒ مولانا ثناءاللہ امرتسریؒ جیسوں کو ان میں شامل کرلوں تو شاید غلطی پر نا ہونگا مولانا کی بابت معلوم پڑتا ہے کہ علی برادران و گاندھی سے بھی ایک دو ملاقاتیں انکی ہوئیں تھیں،عام طور پر گمان و اندازہ یہ ہے کہ مولانا علمی صحبتوں کو سیاسی صحبتوں پر ترجیح دیتے تھے،کسی سیاسی تحریک کے ضمن میں اپکا تذکرہ ہم تک پہنچ نہیں پایا ہے ،ممکن ہے کے بعد میں مجھے کوئی ایسی شہادت میسر آجائے جو میرے قول کا رد کردے ۔

<u>مولانا حنیف ندویؒ اور مولانا عبدالباریؒ :ندوہ کے دو شاہکار عظیم:</u>

ہم اگر اس دور کا جایزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ اسی دوران برصغیر کا ایک اور ندوہ کا محقق مولانا حنیف ندویؒ نیا نیا نوجوان ہورہا تھا اور فلسفہ میں وہ بلاشبہ مولانا عبدالباری ندوی ؒ کی ٹکر کے تھے اور مولانا اسمعیل سلفیؒ جیسے جید محدث و عالم کے شاگرد اور مولانا اسحاق بھٹیؒ جیسے ماہر رجال و مترجم کے استاد و ہم محفل تھے[2]،دونوں میں ایک فرق بحر حال یہ موجود تھا کہ،مولانا حنیف ندویؒ، کی خاصیت مولانا عبدالباری کے برخلاف،مسلم علمِ کلام و فلسفہ تھا ،جبھی انھونے امام اشعری ؒ کی مقالاتِ اسلامیہ اور علامہ غزالی ؒ کی مقاصد الفلاسفہ کے تراجم کئے اور مسلم علم کلام و معقولات کو محور قلم بنایا،مگر انکی تحریروں سے واضح ہوتا ہے کہ وہ فلسفہ مغرب پر بھی عبور رکھتے تھے،جیسا کہ اکثر وہ مغربی فلاسفہ سے فلسفیانہ تقابلہ کرکے نقد فرمایا کرتے تھے ۔

اسکے علاوہ عبدلباری ندوی ؒ جہاں متصوفانہ دیوبندی تھے تو مولانا حینف ندوی ؒ ایک ایک پکے سلفی تھے،جسے حدیث کے مباحث پر مولانا عبدالباری ؒ پر فوقیت حاصل تھی اور جو ساتھ میں مفسر و خطیب بھی تھا،مگر عبدالباری نے جن یورپی فلسفہ کو ترجمے

---

[1] مولانا عبدالباری نے خود اپنی کتاب تجدید تصوف و سلوک میں اپنے اور سید صاحب کے تعلق کا اعتراف فرمایا ہے:صہ:۳

[2] دیکھو:ارمغان حنیف از: مولانا اسحاق بھٹیؒ۔

کے لئے چنا اور جن پر لکھا،وہ جدید تناطر میں اوردو کی بڑی عظیم خدمت ہے،ہر فلسفی جس پر مذہب کا کچھ غلبہ ہو ،وہ جب اپنے اوآخر یا وسطی دور حیات میں فلسفہ کا تنوع،دجل،کذب،آزاد خیالی،مادیت،و الحاد کا اندازہ کرتا ہے اور اسکو جب فلاسفہ کی ذہنی کج روی،پرت در پرت فکری اختلاف ،اور تنوع دیکھنے کو ملتا ہے ۔

لھذا یا تو وہ کسی مذہبی علم میں کھوجاتا ہے ،یا پھرصوفیت میں پناہ ڈھونڈھ لیتا ہے، کیونکہ صوفیت بھی ایک طرح سے تذکیہ نفس کی قسم کا فلسفہ ہے ،یہی رسل جیسے فلسفی کا خیال ہےکہ :صوفی نیم فلسفی ہوتے ہیں ۔

لہذا فلسفہ کے عالم ہوں ، یا مذہب دان چاہے غزالی ہوں یا عبدالباریؒ انکا آخری بچھونا تصوف ہوتا ہے، اگر چہ بہت سے محققین و ناقدین کا تو خیر غزالیؒ کی بابت کہنا ہے کہ انھونے آواخر دور میں خود کی کمزوری حدیث اور بداطمینانی دیکھ کر حدیث پڑھنا شروع کردی تھی اور بوقتِ ارتحال ،بخاری شریف انکے سینے پر تھی۔(واللہ علم)۔

ندوہ کےجو تین نام ہماری معلومات کی حد تک آزادی ہند سے قبل اوردو فلسفیانہ ادب اور مغربی علوم و فلسفہ کے ضمن میں نمایاں رہے ہیں یہ ہیں مولانا عبدالباری ندویؒ،مولانا عبدالامجد دریا آبادیؒ،اور مولانا حنیف ندوی ؒ۔

مولانا کے فلسفیانہ اوردو تراجم و علمی تحقیقات:

مولانا کی نگاہ علیگڑھ تحریک کی جدیدیت اور وہاں سے نکلنے والے جدید الفکر مسلمانوں اور ملحدوں پر غالباً بخوبی تھی جو انھونے کئی معرکہ کی مغربی فلسفہ کی کتب کا ترجمہ اوردو زبان میں کر ڈالا جیسے:

۱۔ہنری برگساں: کی کتاب تعارفِ مابعد الطبیعات[3]

۲۔ڈیوڈ ہیوم:کی کتاب فہم انسانی[4]

۳۔ مبادی علمِ انسانی[5]

۴۔اس کے علاوہ جان ڈیوی،ولیم جیمس(امریکی)،رینے ڈیکارٹ(فرنگی)،اور اسٹاونٹ کی کتب بابت فلسفہ و نفسیات کے بھی تراجم سر انجام دیئے[6]

---

[3] **Henry Bergson :Introduction to Metaphysics** :طبع:جامعہ عثمانیہ، ۱۹۳۱۔

[4] **David Hume: Human Understanding** :اعظم گڑھ،۱۹۳۸ .

[5] **Berkeley: Principles of Human Knowledge** :اعظم گڑھ:۱۹۱۹:.

[6]

مولانا چونکہ فلسفہ کی دنیا کے آدمی تھے اور آپ نے اوردو زبان میں فلسفہ کی معلومات اہل علم تک بھم پہنچانے کے لئے اپنی کل عمر صرف کردی لہذٰا آپنے صرف خالی تراجم جیسے درد سر کو سرانجام دیکر ہی جان نہیں چھڑا لی بلکہ ساتھ ساتھ اپنی ذاتی تحقیقات و تصنیفات بھی پیش کیں تھیںفلسفیانہ شخصیات کی سوانح ِ حیات و فکر تک بھی آپنے عامتہ الناس و عامتہ الخاص کی رسائی ممکن بنائی ،غور کرو تم لوگ اس دور کے علما کو اور انکے معیار ِ علم کو کیسے یہ بیک وقت اوردو اور انگریزی اور کون کون سی زبانوں کے راست قاری تھے ،کیسی ان کی تربیت و علمیت و استعداد تھی[7]۔

انھونے انگریزی،فرنچ،عبرانی،یونانی،فارسی اور عربی سے کیا کیا پڑھ کر اوردو کے ذریعے لوگوں کا علمی مقام بلند کیا۔اور ایک آج کا پاکستان ہے جہاں مہاجر و غیر مہاجر اوردو کو بول کر لکھ کر،احساس ِکمتری کا شکار ہوجاتے ہیں،ایک سندھی،بلوچ،پٹھان،اور پنجابی اوردو کو آزادی قبل کے مسلمانوں کی نہیں صرف ہجرت کرنے والے مہاجروں کی زبان سمجھتا ہے۔

<u>اوردو کے ساتھ اہل پاکستان کی زیادتی :</u>

حیران کن بات تو یہ ہے کہ یہ سب کاروباری معاملات،عام بول چال میں دیگر قوموں سے جنکی خود زبان اوردو نہیں ہے سے اوردو میں گفت و شنید کرتے نظر آتے ہیں، حد یہ ہے کہ کالج و جامعات تک انگریزی کی عدم استعداد کے سبب اسی ٹوٹی پھوٹی اوردو میں امتحانات دیتے نظر آتے ہیں،علمی مباحث کی کتب انگریزی کے بر خلاف اوردو میں

- ۔۱Manual OF (John Dewey), translated into Urdu in 1932, Usmania University Hyderabad۔
- ۲.William James, some writings from 1902–1910, translated into Urdu in 1937, Usmania University Hyderabad۔
- ۳.Discourse on Method and Meditations on First Philosophy (René Descartes), translated into Urdu in 1932, Usmania University Hyderabad.
- ۴.Manual of Psychology (G. F. Stount), translated into Urdu in 1927, Usmania University Hyderabad.

[7] جیسے سید سلیمان ندوی کو عربی،فارسی،اور عبرانی تک پر عبور حاصل تھا،سید احمد خان اگر چہ مدرسہ کے فرد نا تھے بلکہ موجودہ مدارس نظام سے قبل کے گھریلو تربیت یافتہ فرد تھے،مگر اپکو بھی عربی،فارسی اور عبرانی سے کافی واقفیت تھی،اگر چہ آپ کا علم شبلی و ندوی جیسا نا تھا مگر،آپ اپنی جدید فکری کےسبب نیاز کے ساتھ الحاد جدید کے اوردو ادب کے قاری کے بلواسطہ استاد ہیں۔

پرھتے نظر آتے ہیں،جبکہ لسانی مباحث میں دیگر اقوام کو اپنے لسانی محاسن کے لئے اس کم مقام اوردو کو ہی مجبوراً انکو بروئے کار لانا پڑتا ہے۔

یہ بات تو خیر پتھر پر لکیر ہے کہ اوردو کے بغیر کبھی پاکستان میں ایک متحد قوم کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا مگر ،اس میں سب سے بڑا قصور ان حکومتوں اور افواج پاکستان کا ہے جنکے ہاں دفتری مقام و عزت انگریزی کی ہے ،ناکہ اوردو کی ،مطلب یہ کہ سب اتفاق کرچکے ہیں کہ ایک خاص اشرافیہ تا قیامت اس ملک پر حکومت کرتی رہے گی۔

بھلے اسکی قیمت انھیں ایک ٹکڑوں میں بٹی لسانی جتھے بندیوں پر استوار ان قوموں کے عروج کی صورت میں کرنا پڑے جو صوبائی حدود بندیوں کے ذریعے ،ایک وفاق کے ذیر سایہ لسانی سیاست سر انجام دیتی چلی آرہی ہیں،جبکہ ماضی کے مہاجروں کی نسلیں یا تو یہ ملک چھوڑ کر جارہی ہیں یا پھر ٹوٹی پھوٹی آڑھی تیڑھی انگریزی سے اپنا بھاڑے کا تشخص استوار کر رہی ہیں۔

پاکستان کا ہائر ایجوکیشن کمیشن کھلم کھلا انگریزی ذریعہ ابلاغ کو فروغ دینے اور اوردو دشمنی میں اپنا مقام قایم کرتا چلا آرہا ہے اور ہم غور کریں تو انکشاف ہوگا کہ جنابِ من کہ : اسکی داغ بیل بھی ایک دھلی والے اوردو بولنے والی نسل کے حامل سائینسدان ڈاکٹر عطا الرحمن اور ایک جنرل اور سابقہ پاکستانی صدر مشرف صاحب نے ڈالی ہے۔[8] یہ دور حکومت سطح پر جدیدیت،مغربیت،فحاشی و عریانی کے فروغ کا ایسا دور تھا کہ جس نے ہماری اقداروں کا جنازہ نکال کر بحیرہ عرب میں راکھ بنا کر اُڑادی ہے ، جب سے ہم دنیا کے سب سے آزاد نظام سے محروم قوم کے طور پر دیکھے ،جانے ،جاتے ہیں،ہر فرد اپنی جگہ آزاد۔،عالم فاضل و محقق ہے،سب نے اپنی اپنی قدریں،اپنی اپنی ذاتوں پر نافذ کی ہوئی ہیں ۔

جامعہ عثمانیہ :حیدرآباد دکن کی آزادی قبل خدمات :

خیر ہم پھر جامعہ عثمانیہ کی طرف رجعت اختیار کرتے ہیں کیونکہ جامعہ عثمانیہ نے حیدر آباد دکن میں جتنی اہم کتب ممکن تھیں بتدریج اوردو میں منتقل کروانی شروع کردی تھیں کہ تقسیم ہند وقع پذیر ہو گئی اور سقوط دکن عمل میں آگیا، ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کئی اوردو میں تعلیم حاصل کرنے والے سائینسدان نظام حیدر آباد کے خرچے پر کئی سو کی تعداد میں دنیا بھر میں تعلیم حاصل کر رہے تھے،اور انھیں کبھی اوردو پس منظر کے سبب حصول تعلیم میں دقت پیش نہیں آئی کیونکہ انھونے عصر جدید کی استعماری زبان انگریزی کو بھی اچھی طرح ،گھول کر پی لیا تھا،اور اس میں مطلوبہ لیاقت و صلاحیت بھم پہنچا لی تھی ۔ اور انھی شخصیات نے بعد ازاں نظامِ دکن کی خواہش پر اوردو میں

8. صاحبِ تحریر خود نسلاً صدیقی خانوادے سے تعلق رکھتے،ایک دھلی والے آبا واجداد کی اولاد ہیں:جبھی اسے لسانی ،بنیادوں کی جگہ وطنی بنیاد پر تنقید جانی جائے۔

ایک کثیر مغربی ذخیر ہ علمی منتقل کیا جو خود اس بات کا ثبوت ہے کہ اوردو میں ہر قسم کے علوم و فنون کو خود میں سمو کر آگے منتقل کرنے کی استعداد وافر مقدار میں موجود ہے۔

یہ ناچیز پھر مولانا باری کی طرف آتا ہے کہ کہیں پھر بھٹک نا جائے ۔

ذیل میں مولانا کی تحریر کردہ بلذات کتب کے نام گنوائے جاتے ہیں ممکن ہے کہ اصل اعداد و شمار میں کمی و پیشی دریافت کر لی جائے ،مگر جتنا ہم کو معلوم ہوا اسی کو ذیل میں بیان کردیتے ہیں:

۱	**برکلے اور اس کا فلسفہ**	**۱۹۱۸**
۲	**علم الاخلاق**	**؟**
۳	**نظام صلاح و اصلاح**	**؟**
۴	**مذہب اور سائنس** **اسکا مقدمہ جناب ڈاکٹر رضی الدین صدیقی صاحب :شیخ الجامعہ :جامعہ پشاور نے تحریر فرمایا ہے اور مولانا عبدالماجد دریا آبادی ؒ نے ایک صفحہ کا اسکا تعارف تحریر بھی فرمایا ہے :۲۰۰۷ :ع: میں سٹی بک پوینٹ کراچی نے اسکا دوسرا ایڈیشن کراچی سے چھاپا تھا:اور کل کتاب ۲۲۴ صفحات پر مشتمل ہے۔**	**۱۹۷۰**
۵	**مذہب اور عقلیات** **یہ درحقیقت وہ مقالہ ہے جو مولانا نے محمدن ایجوکیشن کانفرنس:در:سورت:ہندوستان میں پڑھا تھا۔**	**۱۹۲۴**
۶	**معجزات انبیا اور عقلیات جدیدہ** **۔ یہ غالباً مولانا مولانا سید سلیمان ندوی ؒ کی سیرت النبی کی جلد بابتِ معجزات کے لئے انکی خواہش پر لکھا گیا تھا؟:یہ بڑی نادر الوجود علمی شہ ہے اور ہمیشہ سے سیرت النبی میں شامل چلا آرہا**	**۱۹۲۰**

	ہے؛اسی مقالہ کو خاکسار نے الحاد کی بیخ کنی اور سد باب کے لئے ہونے والی برقی اشاعتوں کے ضمن میں منتخب کیا ہےاور اسکو نئے رنگ و روپ ،معمولی جدید تبدیلیوں کے ساتھ ۲۰۱۷ :ع: میں پیش کرھا ہے،اور یہ تعارف بھی اسی ضمن میں تحریر کیا جارھا ہے ۔	

ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا نے بعد ازاں ایک باقاعدہ علمی سلسلہ اسلام اور تحقیقات کے ضمن میں لکھا اور اسے سلسلہ تجدید قرار دیا :میرا عاجزانہ خیال ہے کہ یہ سلسلہ انھونے غالباً مولانا اشرف علی تھانوی ؒ کی بیعت کے بعد لکھا ،ممکن ہے انکی یا پھر انکے سابقہ مرشد مولانا حسین مدنی کا کوئی مشورہ و خواہش اس ضمن مین شامل حال رہی ہو،مگر تجدیدِ تصوف سے معلوم پڑتا ہے کہ اس میں مولانا سلیمان ندویؒ کا بھی خاص کردار ہے۔

<u>مولانا خود تجدیدِ تصوف کے دیباچہ میں فرماتے ہیں کہ:</u>

اس "سلسلہ تجدیدِ دین" کی بحمد اللہ چار کتابیں مکمل ہیں، مزید تجاویز بھی ہیں، اللہ تعالیٰ پوری فرمائیں۔

۱۔ پہلی کتاب "جامع المجددین" ہے۔ اس میں دین کے مختلف شعبوں، عقائد و عبادات، معاملات و معاشرات اور اخلاق ---- میں جو جو مفاسد اور امراض کوتاہیاں اور کمزوریاں ہمارے اندر گھر کر گئی ہیں ان کا اجمالی جائزہ لے کر اصلاح کی ایسی آسان اور اختیاری تدابیر کو جمع کر دیا گیا ہے جن پر عمل کرکے مسلمان از سر نو اسلامی زندگی کی دینی و دنیوی برکات و ثمرات سے مالا مال ہوسکتے ہیں۔

اس اعتبار سے یہ چاروں میں سب سے اہم و اقدم ہے۔ "تجدید دین" کی نوعیت و اہمیت پر بھی اسی میں گفتگو ہے، اور حضرت سید محترم مولانا سید سلیمان صاحب ندوی مدظلہ العالی کا تجدید کی تاریخ و تحقیق، اور حضرت (جامع المجددین) علیہ الرحمہ کی تجدیدی و اصلاحی جامعیت و وسعت پر مستقل مقدمہ بھی اس میں شریک ہے ------ طباعت و اشاعت بھی اسی کی مقدم ہونا تھی، انشاء اللہ زیادہ تاخیر نہ ہوگی، کتابت ہو رہی ہے۔

۲ - لیکن بوجوہ دوسری یعنی پیش نظر کتاب۔ "تجدید تصوف و سلوک"۔ کی اشاعت مقدم ہوگئی، تصوف نام دراصل دین کی روح و معنی یا کیف و کمال کا ہے، مگر بدقسمتی سے دین کے تمام شعبوں سے زیادہ تر تو غلطیاں بلکہ گمراہیاں اسی میں سرایت کر گئیں، جس کی بدولت رہا سہا دین بھی معنویت سے خالی بے جان و بے کیف ہو کر رہ گیا۔

اعلیٰ حضرت حکیم الامت مجدد ملت (مرشدی و مولائی مولانا شاہ اشرف علی نوراللہ مرقدہ) کی تجدیدی خدمات و توجہات کا بڑا حصہ بھی دین کے اس کیف و کمال (تصوف) ہی کی تجدید و تحقیق کے حصے میں آیا ہے، اور الحمد للہ کہ راقم احقر کے اس "سلسلہ تجدید" میں بھی یہ پوری کی پوری ایک کتاب (تصوف) کے حصے میں آئی۔ جو ضخامت میں چاروں کتابوں کے ایک ثلث سے بھی زیادہ ہی ہوگئی۔ پھر بھی ع

" حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا "

بلکہ حق یہ ہے کہ نا اہل سب سے زیادہ اسی حصہ کی تحریر کا نا اہل تھا' تاہم حق تعالیٰ کی بڑی نعمت کا بڑا کفران ہوگا اگر اس بے پایاں فضل و احسان کا اقرار نہ کیا جائے کہ قلم تو بے شبہ اسی نا اہل کے ہاتھ میں تھا۔ باقی سارے دوران تحریر میں غیبی تائیدات کا علانیہ مشاہدہ رہا وما ذالک علی اللہ بعزیز۔ ع

"داد حق را قابلیت شرط نیست"

اور الحمدللہ حمداً کثیراً کہ ان اوراق کے دامن میں اسی غیبی نصرت کی بدولت اسلامی تصوف و سلوک اصول و فروع اور تعلیم و تربیت سے متعلق ایسا جامع مستند ذخیرہ ہزاروں اوراق کی ورق گردانی اور اخذ و استنباط سے جمع ہوگیا ہے کہ بے تکلف عضو کیا جاسکتا ہے کہ کسی اسلامی زبان میں ایسی جامعیت و احاطت تحقیق و تنقید کا کوئی مجموعہ موجود نہیں۔ کاش کوئی سعادت مند قلم اس کی تلخیص ہی کو عربی و انگریزی کا جامعہ پہنا دیتا تو اپنے پرائے سب اسلامی تصوف کے جمال و کمال کو جان پہچان کر پھر نہ اس پر بدعت و رہبانیت کا دھوکا کھاتے نہ جوگ اور اشراقیت کا' اور خدا چاہتا تو مغربی محققین و مستشرقین کی بھی آنکھیں کھل جاتیں۔

با ایں ہمہ راقم نا اہل کا قلم چونکہ کسی نہ کسی درجہ میں شریک تو تھا ہی' اس لئے احتیاط لازم تھی سب سے زیادہ احسان و کرم اس معاملہ میں بھی حضرت سید محترم (مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ) ہی کا ہے کہ "حیات طیبہ" اور بعض دیگر ضمنی و ذیلی اجزا کے سوا باقی تصوف و سلوک کے اصل حصہ کو تمام و کمال جس طرح اور جس توجہ سے ملاحظہ فرما کر مطمئن فرمایا اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ متعدد مقامات پر حرف "س" (سلیمان) کے ساتھ مختصر تشریحی افادات سے ناظرین مستفید ہوں گے۔ اور آخر میں جب کتاب کے پروف آ رہے ہیں کرم بالائے کرم یہ فرمایا کہ "اشرف الحیات" کے نام سے حضرت علیہ الرحمہ کی جو سوانح حیات مرتب فرما رہے تھے (جس کی تکمیل فرما نہ سکے) اس کا مقدمہ بعنوان "حقیقت تصوف کا کشتت اعظم اور فن حصول احسان و تقویٰ کا مجدد کامل" روانہ فرما دیا ہے۔ ماشاء اللہ بالکل تجدید تصوف کا مقدمہ اور "بقامت کہتر بہ قیمت بہتر" کا پورا پورا مصداق ہے' اصل کتاب گویا اس کی شرح ہے۔

> اس کے علاوہ "حیات طیبہ" کا پورا جز الفرقان اور تصوف و سلوک کا معتدبہ حصہ معارف میں کتابی صورت سے پہلے شائع ہو کر مختلف طبقات خصوصاً خود حضرت علیہ الرحمہ کے سلسلہ کے اکابر حضرات کی نظر سے گذرا اور گذارا جاچکا ہے۔ ان ظاہر و باطن کے جامع حضرات نے اپنی تصویب و تحسین سے مزید اطمینان بخشا۔

ان تمام مباحثِ متعلقہ سے معلوم پڑتا ہے کہ ؛

سلیمان ندویؒ کی طرح عبدلباریؒ نے بھی اوآخر عمر میں تصوف میں پناہ لے لی تھی اور سلسلہ تجدید اُسی دور کی پیداور ہے،مزید براں انکے منصوبے میں دیگر کتب بھی تجدید کے ضمن میں پیش کی جانی تھیں، جو بعدِ ازاں مختلیف سببوں سے پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکیں اور ساتھ میں مولانا نے ان کتب کو انگریزی اور عربی میں ترجمہ کرانے کی بھی خواہش ظاہر کی تھی:

سلسلہ تجدید کی جو کتب ہم تک پہنچ پائی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱	تجدید معاشیات	
۲	تجدیدِ دین کامل	۱۹۵۶
۳	تجدیدتصوف و سلوک	۱۹۴۹
۴	تجدید تعلیم و تبلیغ	
	یہ تمام کتب المکتبہ اشرفیہ۔لاہور سے طبع ہوچکی ہیں	
	مولانا کی کتب ذیل عربی میں بھی ملتی ہیں جنکو ہم نے نہیں دیکھا ہے مگر قیاس ہے کہ:	
۱	بین التصوف والحیات:یہ تجدید تصوف کا یا تو خلاصہ ہے یا ترجمہ؟	؟
۲	الدین والعلوم العقلیہ:یہ اغلباً مزہب یا عقلیات کا ترجمہ یا باقاعدہ کتاب ہے؟۔	؟

۳	**لمنہج الاسلامی لتربیت النفس:یہ ممکن ہے کہ کتاب علم الاخلاق کا ترجمہ ہو یا کوئی تصوف و تزکیہ نفس کی عربی میں باقاعدہ کتاب ہو۔ واللہ علم**	؟

میں امید واثق رکھتا ہوں کہ مولانا کی کتب اور انکے حالات کا مطالعے کے بعد لازماً قارئین انکی شخصیت و خدمات کے معترف ہو گئے ہونگے اور بلخصوص جو حضرات جدیدیت و الحاد سے اوردو کتب کے ذریعے نبرد آزما ہونے پر مجبور ہیں اور جنھیں انگریزی اور دیگر یورپی زبانوں سے آگاہی حاصل نہیں انکے لئے مولانا کی ذات مشعل راہ ثابت ہوگی،جبکہ انگریزی قاریین بھی یہ جان لیں کہ جو مزہ مولانا کی اوردو تحریروں میں ہے وہ اسے کہاں انگریزی زبان میں میسر آئیگا بھلے اسے چاسر اور شیکسپیر کے درجے کی انگریزی میں ملکہ حاصل ہو۔

والسلام

ڈاکٹر محمد علی جنید

معجزہ کا ایک جدید مختصر مقدمہ

وسیے تو تم سب معجزہ کی بابت ایک واضح تعریف و مفہوم ذہن میں رکھتے ہوگے مگر ،اسے واضح کرنے کی کوشش کرنے سے دامن چھڑا لیتے ہو،آج ایک کم علم ،ناقص العِلم کی اس ادنا سی تحقیق کو دیکھ لو :خود سے پوچھو کچھ دیر کے لئے آیا یہ معجزہ کیا ہے ؟ تو جناب !

معجزہ کیا ہے ؟ اور کیا کسب سے ملتا ہے یا نصب و نص سے ؟

معجزہ اللہ کی وہ انبیا کرام کو عطا کردہ نشانی،آیت و علامت ہے جو اقوام کے مطالبہ ،یا نبی کی اللہ سے گزارش پر قوم کو اللہ کے موجود ہونے،خالق ،ہونے،کی علامت کے ثبوت کے طور پر دوران دعوت و تبلیغ دکھایا جاتا ہے،دیا جاتا ہے، یا نبی کو عطا کیا جاتا ہے۔

اور نبی ہی صرف اسکو دکھا سکتا ہے، یعنی جو آیات منکر الٰہی کو عاجز کرنے کے لئے نبی اللہ کے حکم سے کسی مخصوص ،وقت،مقام،حالت میں دکھاتا ہے وہ معجزہ ہے اور معجزہ کا لفظ بلاتفاق عند المسلمین صرف انبیا کرام سے ہی شرعاً موسوم کیا جاسکتا ہے ،غیر نبی کے لئے اسکا اطلاق مردود تصور ہوگا،سوائے ادبی مجاز میں۔

یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ معجزہ نبی کسی کسب و عبادت یا ریاضت سے نہیں پاتا بلکہ یہ اللہ اسکے منصب اور لوگوں کے مطالبے پر ایک مختصر و قلیل مدت کے لئے عطا کرتا ہے،معجزہ کا اطلاق جہاں جہاں قرانی آیات،اور صحیح اسناد سے مروی مرفوع آثار سے ثابت ہو ،اور صدیوں سے علما امت کا اس پر اتفاق ہو تو اسکا انکار جایز نہیں ہے جبتک کہ خود شرعی دائرہ علمی سے معقولی و منقولی جواز نا نکلے،مگر وہ ایسی ندرت و شاذیت پر مبنی نا ہو کہ نفس مضمون کا انکار ممکن ہو،اور فرد الحاد ،دھریت یا سرسیدی نیچریت کے دعوے تک جاپہنچے،اسکا محفوظ اور عمدہ طریقہ یہی ہے کہ ظاہر الفاظ اور احادیث اور سلف کے معنوں پر اعتقاد کیا جائے ۔

ہر کسی کو جاننا چاہئیے جیسے ہر بادشاہ براہ راست خود اپنے رتبے مقام،عظمت،برتری،شان و جلالت کے سبب ادنیٰ کام،ہو یا اعلیٰ کام انھیں اپنے عمال حکومت کے سپرد انکے تجربے اہلیت و مقام کی بنیاد پر کرتا ہے بذاتِ خود سر انجام

نہیں دیتا ،کچھ حد تک اللہ نے بھی ملایکہ کو کائیناتی ذمہ داریاں سونپی ہوئی ہیں،جبھی اسکے نظام میں ہر مخلوق نظامیاتی بنیادوں پر اپنے اپنے مقام پر موجود ہے،ملائیکہ کے ذریعے اللہ صدیوں سے اپنے احکامات اپنی مخلوقات تک منتقل ،کرتا آرہا ہے،انھیں اس نے نظام فطرت کی مختلیف زمیداریاں سونپی ہوئیں ہیں ۔

<u>مسلمانوں کی مذہبی و اخلاقی حالتِ زار :</u>

کوئی منکر ہے تو کئی نکیر،کوئی ملک الموت ہے تو کوئی داروغہ جنت و دوزخ، تو کسی کو مستقبل میں صور پھونکنا ہے غرض یہ کہ ہر شہ اس نے فطرت کی تقدیر میں تناسب سے مقرر کردی ہے ،لہٰذا اسلام میں ایسی کوئی بدعتی سوچ کی گنجایش نہیں کہ ہندووں کے طرح انسان مرتا نہیں،بلکہ آواگوان کے سبب قلب بدلتا رہتا ہے،اسکی کایا پلٹ ہوتی رہتی ہے،اور وہ ستارے بنکر،سیارے بنکر،دیوتا بنکر امور کائینات سرانجام دینے لگتا ہے، غور کرو کہ کیسے مسلمانوں نے اپنی من پسند صوفیانہ شخصیتوں کے ساتھ ایسی فکر عیسائیت اور ہندی فکر کے اتباع کرنے سبب وابستہ کی ہوئی ہے[8]،ہندو قوم سے مسلم اختلاط نے مسلم فکر کو حد درجہ تباہ کن عقائیدی تنزلی کا شکار کردیا ہے،جس سے اللہ مجھ سمیت سب کو محفوظ کرے۔

<u>خدا کے تصور کو واضح کرو:</u>

اگر تم غور کرو تم معلوم ہو جائے گا کہ : خدا کسی کا محتاج نہیں ،اگر اس نے کسی کو ذمیداری دی ہے،کسی کو فریضہ سونپا ہے ، اور کسی کو خود کے لئے منتخب کیا ہے تو اس سبب نہیں کہ اس پر امور کائینات کا حد درجہ ،بوجھ تھا ۔ یا وہ کوئی ڈاکنزی اندھا گھڑی ساز کی طرح بھی نہیں ہے کہ کائینات بنا کر بھول گیا ہو اور دیگر کھلونے بنا بنا کر کھیلتا رہتا ہو، بلکہ اس لئے کہ وہ منتظمِ کائینات ہے۔وہ چونکہ خود خطاسے مبرا،کامل،و اکمل ہے تو اسکا قایم کردہ نظام بھی عام فہم اور قابل تدبر ہونا چاہئےاور اسکی تخلیق بھی کامل ہونی چاہئے جیسا کہ وہ ہیں،ملحدوں کو اس میں سقم ڈھونڈھنے کے لئے اس سے عمدہ کائینات نظیر میں پیش کرنی ہوگی یا تخلیق کرنی ہوگی کہ گفتگو آگے بڑھ سکے۔

اسکی تخلیق کردہ نظمیاتی نہج اپنی تمام مخلوقاتِ سے براہ راست اور بلراست یہ تقاضہ کرتی ہے کہ ہر شہ اپنے مقام پر فریضہ سر انجام دے اور عبودیت بجا لائے[9] ۔ اس سے انکار ممکن نہیں کہ اسے کسی کی احتیاج نہیں ،مگر سب کو اسکی احتیاج ہے وہ کسی کو مدد کے لئے نہیں بلاتا ،مگر سب اسکو بلاتے ہیں ،پکارتے ہیں ،ہر دین ملت

---

[8] العمران:۱۲۲۔۔النسا:۱۲۳۔۔۔الانعام:،۵۱،۷۱ ۔

[9] الاسرا:۱۱۱۔۔العنکبوت:۲۲۔۔السجدہ:۴۔۔۔

اپنے ناموں سے اسے بلاتی ہے،پکارتی ہے ،پوجتی ہے مگر اس نے سب کے طریقے ،خود ساختہ ،مذہبی ونڈوز ورژ ن رد کرکے صرف دین اسلام کو اپنی انبیا کی جماعت کے ذریعے ،سفارت کے ذریعے ،تبلیغ کردہ اسلام کو ذاتی ورژن مانا،جانا اور تسلیم کیا ہے ۔

انبیا کرام کی شرعی حدود و کردار:

یہ ہے صحیح شرعی آئینی قسم کا دینی مسلمانہ ونڈوز ورژن کیونکہ اسکا خالق ۔کل کائینات کا اللہ و شہنشاہ ہے اسکے علاوہ کوئی،رب خالق ،مالک،رازق،داتا،غوث اور داتا گنج بخش نہیں ہے[10]۔کل جمیع مخلوقات بشمول انبیا کرام اسکی مخلوقات ہیں۔اللہ نے زمین پر انسانی مخلوق کو دین اسلام کی دعوت دینے،انکی ذوات کی تربیت،اخلاقی و شرعی قانونی تربیتِ نفس کے لئے انکے طرف انھی میں سے جس گروہ کو اپنا سفیر مقرر کیا اسکو جماعت الانبین کہتے ہیں۔یہ زمین پر اللہ کے اپنی اپنی قوم میں نمایندے یا سفیر ہوتے ہیں۔

انکا انکار اللہ کا انکار،انکی بے عزتی اللہ کی بےعزتی،انکی ایک طرح کی جایز حدود میں رہتے ہوئے تعظیم کی جائے تو اللہ کی تعظیم ہے ، یعنی کل انسانی برادری میں سب سے زیادہ تعظیم و عزت کے اہل ہوں مگر یہ عمل بھی اللہ کے احکامات اور انبیا کی تعلیمات سے مشروط ہے۔

بچو اس سے کہ تمہاری یہ تعظیم غلو کی شکل اختیار کرکے عیسائی اور مسلم متصوفانہ شرکیہ رہبانیت کی طرح کا شرک نا بن جائے،کیونکہ اللہ نے ان سب انبیا کرام کو اگر سفیر مقرر کیا تو اس لئے کہ لوگوں سے اللہ کی عبادت کروائیں ،انھیں،ایک اللہ کی عبادت کرنے والا،تعظیم کرنے والا،اسکی اطاعت کرنے والا،بنائیں ان سے یہ امر نظری طور پر،عقایدی طور پر بتبلیغ تسلیم کروائیں[11] کہ یہ جس اللہ کی ہم بات کر رہے ہیں جسکی طرف تم کو دعوتِ سلیم و علیم دے رہے ہیں ،وہ واحد ہے،اکیلا ہے،نا اسکا کوئی باپ ہے اور نا اولاد اور نا اسکی کوئی محبوبہ یا محبوب ،

اسکو سب سے زیادہ جو محبوب ہیں وہ اسکے سفرا یعنی انبیا کرام،ان میں سے بھی جو گروہ داخلی طور پر اور زیادہ قابل تعظیم ہے وہ گروہ رسولوں کا یا صاحب شریعت گروہ ہے،پھر ان میں سے وہ جیسے قوت و سیادت ،اور مملکت عظا کی گئی۔مگر اس نے مومنوں سے تقاضہ کیا ہے کہ کسی ایک نبی میں تفریق نا کرو ،نبی اکرم ﷺ نے بھی انبیا کرام میں مقابلے بازی کے رجحان کی ممانعت فرمائی ہے۔

---

[10] الجاثیہ :۱۹۔

[11] المایدہ:۶۷۔۔الاحزاب:۳۹۔۔النور:۵۴۔

غور کرو یہ اقوام سابقہ بھی بلواسطہ اللہ یا خالق کو مانتی جانتی،پوجتی تھیں،مگر کیسے کہ یہ صاحب اللہ جنکی انکے بقول کی طرف انبیا کرام دعوت دیتے ہیں ،کسی اور کیوں نبی بنا کر نہیں بھیجتے،دوسری یہ بات سمجھ سے باہر ہے کہ خدا تو صرف پیدا کرنے والا ہے،یہ مال فلاں دیوتا،بابا،پیر فقیر دیتا ہے،یہ دولت لکشمی کی رکھیل ہے،یہ عیسیٰ [12]اللہ کے بیٹے ہیں مانگنا ہے تو ان سے مانگو،اللہ نے اب آرام کرنا شروع کردیا ہے ۔

<u>دیو مالائی شخصی خدا کے تصور کو تصور الہی نا جانو:</u>

یہ سب بدعات و خرافات دراصل رب کو نا پہچاننے ،تصور اللہ کے واضح نا ہونے کے سبب در آئیں [13]،ہیں ،انکا خدا کا تصور کیا تھا غور کرو ایک شخصی خدا کا تصور،جو آج کے بدعتی مسلمانوں کا ہے کہ ،ہر فرد اپنے اپنے بابا ،پیر ،فقیر کو جو چاہے ،جس طرح کہ اختیار عطا کرکے،عظیم و کبیر جانے ،اللہ نے اسے یہ حق مقام دیا ہے یا نہیں ،اس کی بابت کوئی وحی اتری ہے کہ نہیں اسے اپنی مذہبی لبرل فکر کے سبب کچھ لینا دینا نہیں ہے [14]۔

انسان نما،یونانی زیوس کی طرح کا انسانی برائیوں سے لبریز وہ خدا جسکا تمسخر سقراط افلاطون کی الجمہوریہ میں اڑاتا نظرآتا ہے اور کل محفل کو دعوت دیتا ہے کہ یاروں مسترد کردو ایسے قصہ بے اصل کو جو قوم کو جھوٹے قصوں کا شوقین بنا کر تباہ کرتے ہیں کیونکہ خدا نامی شہ قابل تعظیم و عبادت ہوتی ہے۔[15]

<u>عظمت انبیا :</u>

غور کرو کہ ہمارے عظیم نبیوں نے ایک وفادار ،خواہش نفس سے دور معصوم الفطرت طبیعت و مزاج،کے عبد نبی کے طور پر اپنا تن ،من دھن انسانی ملت کی تربیت ،دعوت اسلام کی دعوت پر نچھاور کردیا تھا ،دوسروں نے انھیں غریب جانا،غیر سرمایہ دار جانا،بکریاں چرانے والا جانا،غریبوں کی محفلوں میں بیٹھنے والا انکی باتیں سننے والا،انکی تکلیفیں دور کرنے والا جانا ۔

---

[12] النسا:۱۷۱۔الانبیا:۹۱۔التحریم:۱۲۔

[13] الفاطر:۴۰ ۔غافر:۱۲۔الاعراف:۱۹۱۔الانعام: ۶۴۔۔الرعد:۱۶۔

[14] النجم:۳۲۔

[15] افلاطون:الجمہوریہ:کی دوسری و تیسری کتب کی بحث پڑھو

انھونے پیغام الہی میں بیان کئے گئے رات ،دن کے آنے جانے ،چاند و سورج کے نکلنے،دن کے آنے ،جالے،جرند ،پرند،مخلوقات ،ارض و سما کی تخلیق میں اسکے کردار پر کھل کر تو ہر جگہ سوال نہیں کئے،سوائے چند استثنیات کہ : مگر اس پر ہر قوم نے سوال کیا کہ تم کو ہی کیوں نبی بھیجا؟،ہمارے کسی سردار[16] پر کیوں نہیں اترا یہ کلام یا نشانی ؟اور انکو کیوں نہیں بھیجا؟ اور تم تو ہمارے طرح بشر ہو [17]،حلانکہ انسان الف اور انسان ب اپنی شکل و صورت،مزاج،طور و اطوار میں ایک نہیں ہوتے،خود کیا انکے سردار اور غیر سردار ایک سے ہوتے ہیں؟،ان بابا جی،ان پیر صاحب ،ان ولی جی پر کیوں نبوت جاری نہیں کی؟ ،یہ پوچھا کہ ہم زندہ پھر کیسے ہونگے،جو مرگیا وہ ہمیشہ کے لئے مرگیا،یہ جنت و دوزخ ہم خود بھی یہاں بنا سکتے ہیں شداد کی جنت کا قصہ اگر چہ سنداً ایک جھوٹا اسرائیلی قصہ ہے مگر اس میں نفس مضمون میں انسانی جنت الارض کی تخلیق کی خواہش ہی کارفرما ہے۔

دیکھو غور کرو کہ انبیا کرام قایل کرنے میں نوح کی طرح کئی سو سال لگا دیتے ہیں مگریہ شیطان صفت قومیں نہیں مانتیں پھر نبی پوچھتے ہیں کیسے مانوگے ؟۔تو عجیب و غریب فہرست المطالبات پیش کی جاتی ہیں کہ : سونے کی سیڑھی بنا کر آسمان تک لیجاو تاکہ فرعون و ہامان آسمان میں تمہارے خدا کا مقابلہ کریں:کہ کون طاقتور ہے؟،پھاڑ سے اونٹنی پیدا کروادو،آسمان سے من و سلوی اتروا دو،پہاڑوں کو اڑوادو یا سونے کا بنادو[18] وغیرہ وغیرہ ۔

<u>اللہ اور نبی معجزات کے مطالبے پسند نہیں کرتے تھے:</u>

جس پر انکی طرف مبعوث نبی انہیں سمجھاتے، بجھاتے کہ دیکھو لو گوں معجزات مت طلب کرو اور اگر ہم دکھادیں تو تم کو لازماً ایمان لانا ہوگا ورنا اللہ کا عذاب تمہارا خاتمہ کردیگا، اب فیصلہ تمہارا ہے ؟ غور کر و کہ زیادہ تر معجزہ دیکھنے کے بعد بھی یہ سب ہوائے نفس ،کے سبب کافر رہے اور دیکھ لو تم لوگ اسکا ثبوت عاد و ثمود کے قصص و آثار کی صورت میں،بس قوم یونسؑ اس میں ایک استثنا کی صورت میں ملتی ہے۔

یا آخری وقت میں ملت محمدی پر اگر غور کرو ابوبکرؓ ،عمرؓ،عثمانؓ ،علیؓ،زبیرؓ ،طلحہؓ،ابن عوفؓ،زید بن عمروؓ،یا زید بن خارجہ،ؓ،خدتیجہؓ کسی نے بھی معجزہ کا مطالبہ کرکے اسلام قبول نہیں کیا،کیونکہ معجزہ ایک حجت ضرور ہے مگر جو دعوت و

---

[16] الزخرف: ۳۱۔

[17] المومنون:۳۴۳،۲۴۔۔القمر:۲۴ ۔۔ ابراہیم:۱۱،۱۰۔

[18] بنی اسرائیل:۹۳،۹۲،۹۱،۹۰۔

شخصیت دیکھ کر اسلام قبول کرے اسکا کا رتبہ معجزہ طلب کرکے اسلام لانے والے سے زیادہ ہے،جیسے کوئی بلا دیکھے اللہ پر ایمان لائے اسکا رتبہ زیادہ ہے۔

صحابہ کرامؓ نے اسلام پہلے قبول کیا اور معجزات نبی نے خود دکھا دئیے تو دکھا دئیے باقی حقیقت یہ ہے کہ : معجزات بس ضرورت کے وقت نبی اکرم ﷺ کو اللہ نے عطا فرمائے،وضو کی ضرورت ہے انگلیوں سے پانی،نکل آیا[19]،آنکھیں دکھ رہی ہیں تھوک لگا دیا[20]،کھانا کم ہے برکت نازل ہوگئی[21] ۔ یہ روز کے معمول نا تھے یہ امور شاذرو نادر ہی عمل میں آتے تھے جبھی معجزات انبیا سے ہزاروں موسوم ہیں مگر قران اور صحیح اسناد سے بہت کم معجزات ثابت ہیں۔

<u>حق سے دوری اور لفظ وہابیت کا ہر مخالف پر انطباق:</u>

غور کرو انبیا کرام نے صرف اللہ کی توحید پر سارا دارومدار رکھا اور معجزات دکھائے اور آج اللہ کی پناہ مسلمانوں کی کثیر تعداد توحیدِ الہی کو مولوی کے خطبہ سے نہیں صرف میٹرک،انٹر،اور گریجویشن کی اسلامک اسٹڈیز میں مطالعے سے جانتی ہے کیونکہ نظری بحث سے قطع نظر عملی طور پر دور جاہلیت نیے طریقے سے مسلمانوں میں عود آیا ہے۔

توحید کی دعوت اور تبلیغ کو وہابیت کا کرشمہ و مطالبہ گردانا جاتا ہے حلانکہ اللہ ہی اصل وہاب ہے اور وہاب [22]اسکا اسمِ صفتی ہے ،ہر فرد خود عالم اور خود محقق بن چکا ہے،۔سوال یہ کہ نبی اکرم ﷺ کس فرقہ کے نبی تھے،محدثین،فقہا،کرام نے کس فرقہ کے اسلام کو شروع میں ظاہر کیا؟،اگر ان سےبھی کوئی دلیل لے آئیں تو بھی اسے وہابی جانا جاتا ہے اور بیسویں صدی میں پیدا ہونے والوں کو اہل سنت قرار دیا جاتا ہے ؟

اللہ اور توحید کا مطلب کیا ہےَ؟ صرف اللہ کو رب تسلیم کرنا اسکی سیادت،حاکمیت،علمیت،قوت،و اقتدار،کو ماننا،اسے ہی غوث ،قطب ،رزاق،علم غیب،مالک یوم الدین،مالکِ جزا وسزا تسلیم کرنا ا انبیا کی دعوت پر لبیک کہنے سے مراد یہی لی جاتی ہے۔

---

[19] بخاری:۳۵۷۳،۳۵۷۲۔

[20] مسلم:۲۴۰۷،۲۴۰۵۔

[21] دارمی:۴۵۔۔احمد:تحقیق:احمد شاکر:۱۳۷۱۔ ۔۔۔ ترمذی:۳۶۲۵۔

[22] العمران:۸۔

نبوتی ذمہ داریوں کا خاص زماں و مکاں سے تعلق اور حرام و حلال کی بحث :

اللہ نے جب اپنے انبیا اور رسولوں[24] کو دنیا میں ذمےداریاں ایک خاص عمر و مقام پر سونپیں تو تفاوتِ جغرافیہ،تفاوتِ علم،تفاوتِ تدبر،تفاوتِ اہلیتِ اقوام عالم ،کے سبب ،ماحول،خوراک،تجارت،عدم تجارت،بدویت عدم بدویت، کے سبب ہر نبی کو اسکے عہد،مقام قوم کے سبب مخصوص ذمہ داریاں سونپیں گئیں ،مگر اصول دین کی دعوت میں تمام انبیا کرام کی دعوت و پیغام آدم ؑ سے نبی اکرم خاتم الانبین،محمد مجتبی ؐ صلی اللہ علیہ وسلم تک یکساں رہی۔

جو آج مسلمانوں کے فرایض ،اور اصول دین ہیں یہی انکے بھی تھے بس فرق قوانین کے ارتقا ،اور فروع دین میں تھا،مگر اس میں بھی جوچیزیں آج حرام ہیں وہ کل بھی حرام تھیں،جو آج حلال ہیں وہ کل بھی حلال تھیں سوائے کچھ استثنیات کے اسی طرح کچھ اقوام کو سزا دینے کے سبب ان پر حلال چیزیں بھی حرام کی گئیں،جیسے اونٹ کا گوشت کچھ یہودیوں کی شرارت کے سبب یا اسکی چربی وغیرہ حرام کردی گئی ،مگر فی نفسی وہ شہ حلال تھیں مگر سزا و عبرت کے سبب ان پر حرام کردی گئیں۔

اب جب اسلام اپنی کامل شکل میں رسالت محمدی میں کامل و مکمل ہوا تو پھر سب کو صرف ایک دین کی دعوت دی گئی گزشتہ تمام دعوتیں یا اصول سب اسلام کے بحال تسلیم کرنے کے سبب بحال تسلیم کئے گئے اسلام کے قدغن عاید کرنے کےسبب تا قیامت حرام تسلیم کئے گئے۔یہودیت ہو یا عیسائیت،ہندویت ہو یا تصوفیت[25]،پارسیت ہو یا کنفیوشسیت سب کو منسوخ قرار دے دیا گیا،لہٰذا نفس مضمون اور جوہر صرف توحید اسلام ہے۔باقی سب ا س کی اضافتیں اور اس تک رسائی کے ذرئعے ہیں۔

معجزہ کہنے کو عجز سے نکلا ہے جسکے معنی کسی کو لاجواب کرنے کے ،مضبوط دلیل سے شکست دینے کے،ہکابکا کر دینے کے ہیں ،اصول فطرت کے کسی اصول سے قطع نظر استثنائی خدائی مداخلت سے ہیں۔

یعنی اللہ انبیا کرام کو جو عاجز کردینے والا ،استثنائی ،حیران کردینا والی نشانی اور مظاہرہ عطا کرتا ہےاور سامنے والوں کو قایل کرنے کے لئے مخصوص وقت میں دیتا ہے وہ عام عوام کی نظر میں ناممکنات کے قبیل سے ہوتے ہیں معجزہ ہوتا ہے ۔

---

[24] التوبہ:۱۲۸۔۔المایدہ:۶۷۔

[25] ھود:۱۱۳ ۔۔۔الرعد:۱۶ ۔۔الفرقان:۱۸۔۔۔الجاثیہ:۱۰۔

<u>جیسا کہ دایرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار کا بیان ہے کہ:</u>

مُعْجِزَة : (ع)، جمع : معجزات، مادہ عجز ۔ بمعنی عدم قدرت، قاصر رہنا، طاقت نہ رکھنا، عاجز ہوجانا۔ اس مادے سے باب افعال : اَعْجَزَ، یعجز، اعجازاً" ۔ بمعنی کسی کو عاجز کر دینا، کام کرنے کی قدرت و طاقت سلب کرلینا۔ لفظ عجز کی ضد لفظ قدرت ہے۔ اصطلاحی معنوں میں معجزے سے مراد خارق عادت شی ہے، یعنی کسی رسول یا نبی کا وہ کام یا فعل جو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت و طاقت سے اپنے رسول کی نصرت و تائید کے لئے ظاہر کرتا ہے اور اس وقت اس جیسا کام کرنے سے دوسرے لوگ قاصر و عاجز رہ جاتے ہیں۔

مختصر دایرہ معارف اسلامیہ :دانش گاہ :جامعہ پنجاب:صہ:۸۰۶

<u>لوئیس معلوف نے معجزہ کے مادے عجزکے کئی استعمال بیان کئے ہیں جیسے :</u>

۱ عَجَزَ : (ض) وعَجِزَ : (س) عَجْزًا وعُجُوْزًا وعَجَزَانًا ومَعْجَزًا ومَعْجِزًا ومَعْجِزَةً ومَعْجَزَةً عَنْ كَذَا : قادر نہ ہونا۔ طاقت نہ رکھنا۔ عاجز ہونا۔ کہا جاتا ہے

۲ "عَجَزَ فُلَانٌ عَنِ الْعَمَلِ" یعنی بوڑھا ہو گیا۔ طاقت نہیں رکھتا۔ صفت عَاجِزٌ : ج عَوَاجِز وعَجَزٌ۔

۳ عَجَّزَه : عاجز کرنا۔ عجز کی طرف منسوب کرنا۔ روک دینا...... المُعَجَّزَةُ : عورت کا بڑھیا ہونا۔

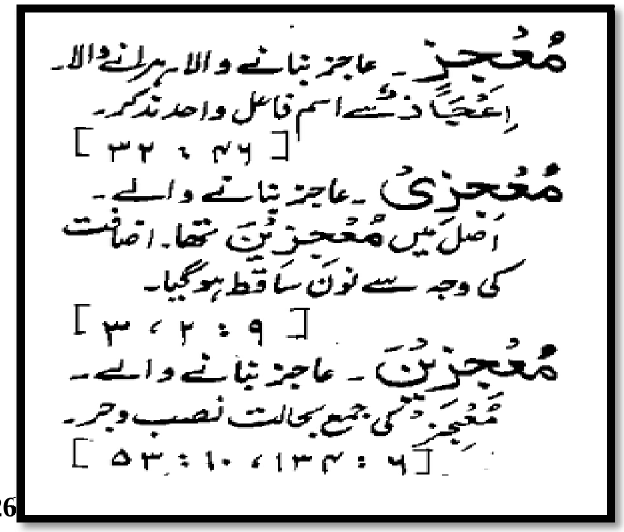
۴ اَعْجَزَهٗ : عاجز کر دینا۔ عاجز پانا۔ اَعْجَزَهٗ الشَّئُ : چیز کا قبضے سے نکل جانا۔ اَعْجَزَ فِي الكَلَامِ : اپنے مقصود کو معجز اسلوب سے ادا کرنا۔

25

---

[25] لوئنس معلوف:المنجد:مادہ: ع،ج،ز:خزینہ علم و ادب.لاہور:صہ: ۵۴۰۔۵۴۱۔

قران مجید میں اس کے تین طرح سے استعمالات بیان کئے گئے ہیں جیسے :


مُعْجِزٌ ۔ عاجز بنانے والا ، ہرانے والا۔
اِعْجَازٌ سے اسم فاعل واحد مذکر۔
[۳۲ ، ۴۶]
مُعْجِزِیْ ۔ عاجز بنانے والے۔
اصل میں مُعْجِزِیْنَ تھا۔ اضافت کی وجہ سے نون ساقط ہوگیا۔
[۳ ، ۲ : ۹]
مُعْجِزِیْنَ ۔ عاجز بنانے والے۔
مُعْجِزٌ کی جمع بحالت نصب وجر۔
[۵۳ : ۱۰ ، ۱۳۴ : ۶]

[26]

ذیل مں مثالاً چند قرانی معجزات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

عدد	تذکرہ	آیات
۱	(موسیٰ علیہ السلام کے عصا مارنے سے بارہ چشمے نکلے)۔	البقرہ ؛ ۶۰
۲	(عزیر علیہ السلام اور اُن کے گدھے کو سو سال بعد زندہ کیا گیا)۔	البقرہ: ۲۵۹
۳	(ابراہیم علیہ السلام کا چار پرندوں کے ٹکڑے کرنا اور اللہ کا اُنھیں دوبارہ زندہ فرمانا)۔	البقرہ: ۲۶۰
۴	(عیسیٰ کا والدہ کی گود میں کلام)	العمران: ۴۶
۵	(عیسیٰ علیہ السلام کے مٹی کے پرندے کو زندہ کرنے ، مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو صحت یاب کرنے ، مُردے کو زندہ کرنے اور کھائی گئی یا گھر میں چھپائی گئی چیز کو بتانے کے معجزات)۔	العمران: ۴۹

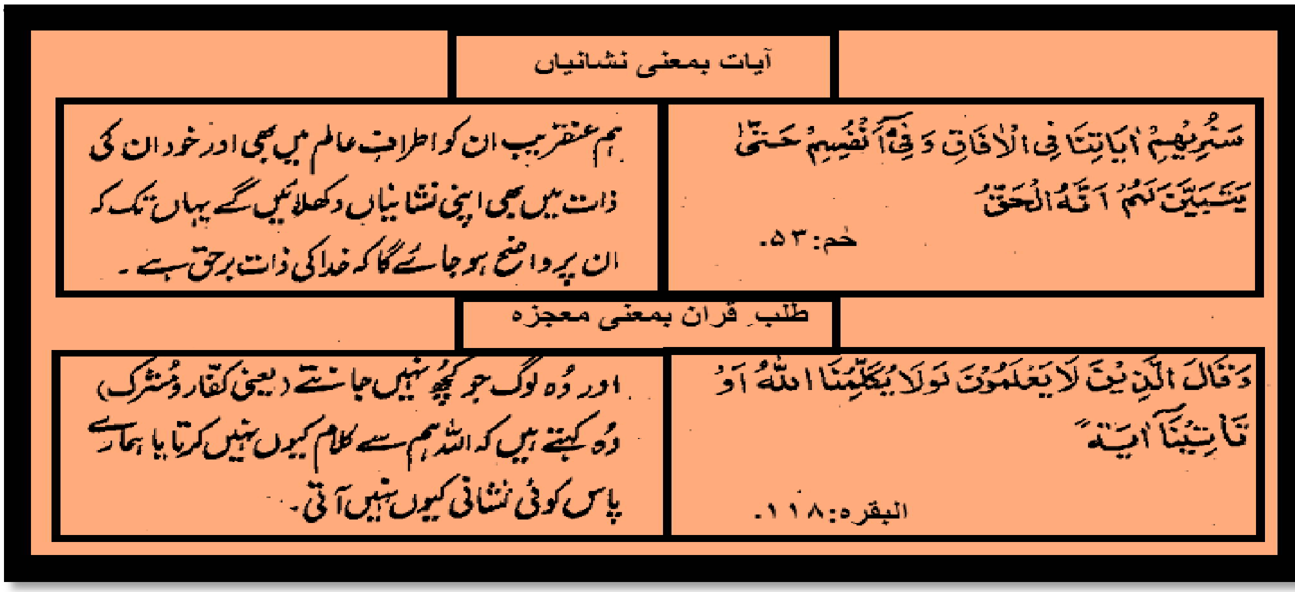
---

[26] محمد میاں صدیقی،ڈاکٹر:قران مجید کا عربی اوردو لغت:مقتدرہ قومی زبان:اسلام آباد: ۲۰۰۱ :صہ:۴۹۱۔
سید فضل الرحمان،حافظ:معجم القران:زوار اکیڈمی پبلی کیشنز،کراچی:۲۰۱۴ :صہ:۴۳۳۔۔۴۳۴۔
الاحقاف:۳۲۔۔التوبہ:۳،۲۔۔۔الیونس:۵۳۔۔۔الانعام: ۱۳۴±

۶	(موسیٰؑ کا عصا اژدھا بن گیا).	الاعراف:۱۰۷
۷	(موسیٰؑ کا یدِ بیضاء).	الاعراف:۱۰۸
۸	(صالحؑ کی اونٹنی).	هود:۶۴
۹	(یوسفؑ کے کُرتے سے یعقوبؑ کی آنکھیں ٹھیک ہو گئیں)	یوسف:۹۳ـ۹۶۔
۱۰	(عیسیٰ علیہ السلام کی بن باپ کے ولادت).	مریم:۲۴ ـ۳۰
۱۱	(سلیمان علیہ السلام کی حکومت).	النمل:۱۶،۱۷
۱۲	(سلیمان علیہ السلام کی بادشاہت).	السبا:۱۲
۱۳	(مچھلی کا یونس علیہ السلام کو نگلنا)	الصفت:۱۳۹ـ۱۴۷
۱۴	(داؤد علیہ السلام کی سلطنت).	ص :۱۷ـ۲۰
۱۵	(ایوب علیہ السلام کی صحت یابی).	ص:۴۱ـ۴۳۔

ہم یہ غور کرتے ہیں کہ قران نے معجزات کو کئی معنوں میں ہماری معلومات کی حد تک بیان کیا ہے جیسے،آیت،برھان،بینات وغیرہ[27]۔

<u>ذیل چار آیتیں بطور مثال بیان کی جاتی ہیں:</u>



اب یہ امور مد ظر رکھے جائیں بینات اور براہین کے الفاظ کن معنوں میں قران نے بیان کیے ہیں اور جو بیان کیے تو معجزات اور براہین سے مراد کیا ہے؟:سب سے اول بینات اور برھان کو سمجھو ۔

<u>بینتہ</u>:سے مراد فریق مخا لف کے سامنے اسکے انکار پر کسی دلیل و ثبوت کو پیش کرنا ہوتا ہے۔[28]

<u>برھان</u>:راغب الاصبھانیؒ کے مطابق:برھان وہ دلیل قاطعہ یا حجت ہے جو اتنی وزنی اوربھاری ہو کہ اسکا انکار مخالف سے ممکن نا ہو اور فیصلہ کن نوعیت کی حامل ہو۔[29]

---

[27] عبدالرحمان کیلانی،مولانا:عقل پرستی اور انکار معجزات:مکتبہ السلام،لاہور:۱۹۹۸:صہ:۴۰۔
[28] ایضاً:صہ:۴۱۔
[29] ایضا۔

معجزات بمعنی بینات اور معجزات بمعنی برھان کو واضح کرتی دو آیات:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوسٰى تِسْعَ اٰيَاتٍۢ بَيِّنَاتٍ (بمعنی بینات) الاسرا:۱۰۱	اور ہم نے موسیٰ کو نو کھلی نشانیاں (معجزات) عطا کیں
وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ يٰمُوسٰى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ (بمعنی برھان) القصص:۳۲،۳۱.	(اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے فرمایا) اور یہ کہ اپنی لاٹھی ڈال دو۔ جب موسیٰ نے دیکھا کہ وہ حرکت کر رہی ہے جیسے سانپ تو پیٹھ پھیر کر چل دیئے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا (اللہ تعالیٰ نے فرمایا) آگے آؤ اور ڈرو مت تم امن پانے والوں سے ہو (اور) اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو تو وہ بغیر کسی عیب کے سفید نکل آئے گا (اور خوف کو دور کرنے کے لیے) اپنے بازو کو اپنی طرف سکیڑ لو یہ دو دلیلیں (معجزے) ہیں تمہارے پروردگار کی طرف سے ان کے ساتھ فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس جاؤ۔

ہم یہ دیکھتے ہیں کہ سر سید احمد خان اور انکے اتبع میں،نیاذ فتح پوری،پرویزی،غامدی اور عصر حاضر کے انکے پیروکار ملحدین نے زنادقہ کی مانند جوانکار معجزات کیا ہے،آگے کی جدید فلسفیانہ تحقیقات میں مولا عبدالباری ندویؒ نے انکا علمی ابطال کیا ہے، کیونکہ یہ سب فلسفہ مغرب و مشرق سب سے نابلد ہیں ان سب نے گن چن کر بیضاوی،زمخشری اور معقولی دلایل کے لئے امام رازی کی تفسیر پر اکتفا کرکے ظاہر معنوں کا ہر جگہ انکار کیا ہے.خصوصاً سرسید کی تفسیر کا یہی طریقہ ہے اور نیاذ کی من و یزدان سرسید کے افکار کا چربہ ہے۔

ان سب کو ہی قریباً حدیث کے کردار اور مرتبہ کا انکار ہے،کیونکہ احادیث جدت پسندوں کی من مانی تاویل کی بیخ کنی کرتی ہیں،اور انکی من مانی تشریح و توضیح کا راستہ محدود کرتی ہیں۔

الحاد ،جدیدیت اور سرسیدی فکر :

ذیل میں مسلم جدیدیت کے ماہر عصر سید خالد جامعی صاحب کی تحقیق کردہ سرسید کے افکار کی بابت انکے ہم عصروں کی رائے بلا کم و کاست پیش کی جاتی ہے:

سرسید چھپا پادری تھے: محسن الملک

سرسید کے دستِ راست نواب محسن الملک:

''یہ سچ ہے کہ ہمارے مسلمہ نے شدومد کے ساتھ ظاہر بھی کر دیا جس کی وجہ سے تمام مسلمان اور اکثر علما کو ان کے اسلام پر قائم رہنے میں شبہ تھا اور بعض نے یہاں تک کہ کفر کے فتوے بھی دے دیے اور ان کو کیا کہوں، خود مجھ کو بہت سے مسائل میں ان سے اختلاف کرنا پڑا، بحث و مباحثے رہے''۔[مجموعہ لکچرز محسن الملک ص ۵۰۸]

''شاید سب سے پہلے میں نے ہی ان کے کفر کا فتویٰ دیا تھا، ان کو چھپا پادری کہا''۔[مجموعہ لکچرز محسن الملک ص ۴۱۲]

سرسید نے تفسیر میں جابجا ٹھوکر کھائی: حالی

بہت سے مقامات ان کی تفسیر میں ایسے بھی موجود ہیں جن کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ ایسے عالی دماغ شخص کو کیونکر ایسی تاویلات بارد پر اطمینان ہو گیا اور کیونکر ایسی فاحش غلطیاں ان کے قلم سے سرزد ہوئی ہیں''۔[مقالاتِ حالی (۱) ص ۲۲۵]

حالی ایک اور موقع پر بیان کرتے ہیں:

''آخر عمر میں سرسید کی خود رائی یا جو وثوق کہ ان کو اپنی رایوں پر تھا وہ حد اعتدال سے متجاوز ہو گیا تھا۔بعض آیاتِ قرآنی کے وہ ایسے معنی بیان کرتے تھے جن کو سن کر تعجب ہوتا تھا کہ کیونکر ایسا عالی دماغ آدمی ان کو کمزور اور ربودی تاویلوں کو صحیح سمجھتا ہے۔ہر چند کہ ان کے دوست ان تاویلوں پر ہنستے تھے مگر وہ کسی طرح اپنی رائے سے رجوع نہ کرتے تھے''۔[حیاتِ جاوید (۲) ص ۵۲۲]

مولانا حالی نے ''حیاتِ جاوید'' میں ان مسائل کی ایک طویل فہرست پیش کی ہے جن میں سرسید نے علماءِ سلف سے اختلاف کیا ہے۔یہ فہرست کئی صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔اس میں جہاں انبیاء کرام کے معجزات کا ذکر ہے، وہ تحریر کرتے ہیں: معجزات کی تفسیر میں جو کچھ سرسید نے لکھا ہے وہ غالباً پہلے کسی مفسر نے نہیں لکھا۔[حیاتِ جاوید (۲) ص ۲۶۵]

ڈپٹی نذیز احمد نے سرسید کی کلاس لے لی

''مجھ کو ان کے معتقدات باسرہا تسلیم نہیں۔ سید احمد خاں صاحب کی تفسیر ایک دوست کے پاس دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ میرے نزدیک وہ تفسیر ''دیوانِ حافظ'' کی ان شروح سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی جن کے مصنفین نے چوتڑوں سے کان گانٹھ کر سارے دیوان کو کتاب تصوف بنانا چاہا۔ جو معانی سر سید احمد خاں صاحب نے منطوقِ آیاتِ قرآنی سے اپنے پندار میں استنباط کیے (اور میرے نزدیک زبردستی مڑھے اور چپکائے) قرآن کے منزل من اللہ ہونے سے انکار کرنا سہل ہے اور ان معانی کو ماننا مشکل .... یہ وہ معانی ہیں جن کی طرف نہ خدا کا ذہن منتقل ہوا، نہ جبریل حامی وحی کا، نہ رسول خدا کا، نہ قرآن کے کاتب و مدون کا، نہ اصحاب کا، نہ تابعین کا، نہ جمہور مسلمین کا''۔[موعظہ حسنہ ص ۱۷۵]

نواب وقار الملک کا سید احمد کی گوشمالی کرتا کھلا خط

علی گڑھ سے سرسید کے نام ۱۱۲ گست ۱۸۷۲ء کو وقار الملک نے خط لکھا اور تہذیب الاخلاق کے مضامین کے منفی اثرات پر تنقید کی۔ اس کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمایے:

''یہاں کے لوگوں کی رائے سے میں آپ کو صحیح صحیح اطلاع دیتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اس مدرسہ کی طرف سے تو اس وقت تک کسی کو شکایت نہیں ہے، ہاں، تہذیب الاخلاق کے مضامین تازہ کے سبب سے البتہ لوگوں کو ایک بدگمانی ہے۔ لیکن وہ بدگمانی آپ کی ذات کے ساتھ ہے، نہ اس مدرسہ کی نسبت ...... جب تک اس مدرسہ کے لیے بے لگام مضمونوں کی فی الجملہ روک تھام ضرور ہے۔ آپ کو شاید معلوم نہیں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ وہ مضامین ایک قومی مزاحمت کرتے ہیں اس چندہ کے واسطے۔ اور کیا آپ کو ایسے مضامین کے سوا اور کچھ مضمون ہی نہیں ملتا؟''[سیلیکٹڈ ڈاکومنٹس، ص ۱۸۳]

شبلی: سرسید کے افکار غلط تھے
شبلی کے خیال میں:

''زمانہ جانتا ہے کہ مجھے کو سرسید کے مذہبی مسائل سے سخت اختلاف تھا اور میں ان کے بہت سے عقائد و خیالات کو بالکل غلط سمجھتا تھا''۔[مقالاتِ شبلی] (۲) ص ۶۴]

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہماری مطالعہ پاکستان کی داستان کا جن صاحب سے عموماً آغاذ ہوتا ہے ان سے اوردو کے حواس خمسہ اور علی گڑھ تحریک کے بانی ،اور مسلم لیگ کے دو اصل بانی نواب محسن الملک ؒ اور وقار الملکؒ کیوں عقایداً متنفر تھے ؟ ذیل میں سید صاحب کا موقف بیان کرتی دو تین باتیں ذکر کی جاتی ہیں وہ خود اپنے ترجمان ہیں جسکو تفصیل مطلوب ہو انکی تفسیر پڑھ لے:

عقل کے خلاف آیت کی تاویل کی جائے گی:

تفسیر قرآنی میں سرسید قرآن کے الفاظ کا صحیح مفہوم معین کرنے کے متعلق فرما رہے ہیں کہ:

"ان سب باتوں کے ہونے کے بعد اس بات کا جاننا بھی ضروری ہے کہ جس بات پر متعلق دلیل دلالت کرتی ہے۔اس پر کوئی عقلی معارضہ تو نہیں ہے کیوں کہ اگر کوئی عقلی معارضہ پایا جائے گا تو ضرور نقلی دلیل پر اس کو ترجیح ہوگی اور اس نقلی دلیل کو ضرور دوسرے معنوں میں تاویل کرنا پڑے گا"۔(جلد اول، ص ۱۱۹)

خوارق عادت اور معجزات سے انکار:

✡ قرآن کے جو قصے سرسید کو عقل کے خلاف محسوس ہوئے ان کی تاویل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"مثلاً: ان کے زمانہ میں یہ مسئلہ ثابت نہیں ہوا تھا کہ طوفان نوح کا تمام دنیا میں عام ہونا اور پانی کا اونچے سے اونچے پہاڑوں کی چوٹیوں سے بلند ہو جانا محالات سے ہے اور خلاف واقعہ ہے اور اس لیے ان کے خیال میں یہ بات نہ آئی کہ قرآن میں "جوالارض" کا لفظ ہے اس میں الف لام استغراق کا نہیں ہے بلکہ عہد کا ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے میں کوئی نص صریح اس بات پر نہیں کہ انھیں درحقیقت آگ میں ڈالا گیا تھا۔اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت میں کوئی نص صریح قرآن میں نہیں ہے کہ وہ فی الحقیقت بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔نہ ہی حضرت یونس علیہ السلام کے قصہ میں ایسی کوئی نص ہے کہ فی الواقع ان کو مچھلی نگل گئی اور وہ مچھلی کے پیٹ میں رہے تھے؟(تفسیر القرآن، دیباچہ: ص ۱۷) یہ نقطہ نظر عقل کے کمالات میں سے ہے جو بات عقل میں نہ آئے وہ غلط ہے۔

سرسید اپنی ملحد اور منکر حدیث بیٹوں اور پوتوں کی طرح سائینس کے فلسفہ کو سمجھے بغیر اسکی نظریاتی تغیر کو سمجھے بغیر صرف انگریزوں کی سیاسی حکمرانی سے مرعوب ہوکر صدیوں کی مسلم ترقی و خدمات کو فراموش کرکے ایسٹ انڈیا کمپنی کے نمایندے کی طرح مسمانوں کو میٹھی چھری بنکر ذبح کرتے رہے اور بچے انھیں مسلم ہندوستان کا اولین جدید رہنما گردانتے رہے مسلمان کون ہے غور کرو ،جو ایمان

لائے اسلام پر اور اسکے اصول و عقاید پراعتقاد رکھے تو کیا مسلماتِ اسلام کا انکار کرکے وحی کو عقل کے تابع کرنے کے بعد انھیں مسلمانوں کا رہنما گرداناجاسکتا ہے ؟ غور کرو ،قران و سنت پر عمل کرو اور سید صاحب کی بابت کہا جاتا ہے کہ وہ خود کو اہل حدیث کہتے تھے ،یہ صرف انکا شاید دعوی ہی تھاکیونکہ وہ تو

حدیث کے تشریحی مقام ،کے ہی منکر تھے ،اور انکو حجت میں پیش کرنے سے دامن بچایا کرتے تھے،تو انکا اہل حدیث سے تعلق صرف لطیفۂ علمی سے زیادہ کچھ نہیں انکی مثال اس صوفی کی طرح ہے جو ہو تو بریلویت اور فقہی حنفیت پر مگر قادری سلسلہ کی فقہی تاریخیت کو اپنی بنیاد قرار دینے کے لئے خود کو حنبلی کہے باقی وہ نا حنفی ہو اور نا ہی حنبلی ہو وہ صرف خود کا ہو کہ رہ گیا ہو یہی سید صاحب کا نظریہ تھا،کہ مسلم لفظ صرف ہندوستانی عوام سے تعلق اورا نکی سیاسی قیادت کے سبب خود پر لاگو کرواو باقی عملاً وہ ایک مسلم پروٹسٹنٹ تھے،یا محسن الملک کے الفاظ میں چھپے پادری تھے ،جسکا مادی،سائینسی سرمایہ داریت پر کامل ایمان تھا۔

<u>جیسا کہ وہ فرماتے ہیں کہ:</u>

سائنسی تفسیر: ہر زمانے میں قرآن کا نیا مفہوم ہوگا

''اور کیا عجب کہ آئندہ زمانہ میں ان علوم کو اور زیادہ ترقی ہو اور جو امور اس وقت تحقیق شدہ معلوم ہوتے ہیں وہ غلط ثابت ہوتے ہوں۔ اس وقت قرآن کریم کے الفاظ کے دوسرے معنی قرار دینے کی ضرورت ہوگی۔ وھلم جرا پس قرآن لوگوں کے ہاتھ میں ایک کھلونا ہو جائے گا'' (تفسیر القرآن دیباچہ، ص:۱۹) اس حقیقت کا اعتراف کرنے کے باوجود اس کا حل سرسید کے قلم سے ملاحظہ فرمایے۔

''پس اگر ہمارے علوم کو آئندہ زمانہ میں ایسی ترقی ہو جائے کہ اس وقت کے امور محققہ کی غلطی ثابت ہو تو ہم پھر قرآن مجید پر رجوع کریں گے اور اس کو ضرور حقیقت کے مطابق پائیں گے اور ہم کو معلوم ہوگا کہ جو معنی ہم نے پہلے قرار دیے تھے تو وہ ہمارے علم کا نقصان تھا۔ قرآن مجید ہر ایک نقصان سے بری تھا۔'' (تفسیر القرآن دیباچہ، ص:۲۰) [سرسید کے اصول کے تحت قرآن کی آیات وقفے وقفے سے اپنا مطلب تبدیل کرتی رہیں گی، قرآن جدید تحقیق کا ہمیشہ محتاج رہے گا جو کچھ سائنس بتا دے قرآن اس کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال لے۔

''مثلاً فرض کرو کہ قرآن مجید سے ہم نے یہ سمجھا کہ سورج زمین کے گرد پھرتا ہے جس سے طلوع وغروب ہوتا ہے۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ سورج ساکن ہے اور زمین سورج کے گرد پھرتی ہے۔ اب ہم قرآن پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سورج کا پھرنا قرآن میں بطور حقیقت کے واقع نہیں ہوا بلکہ (علی ما یشہدہ الناس) بیان ہوا ہے اور وہ سچ ہے پس ہم نے جو اس کو بطور حقیقت واقع کے سمجھا تھا وہ ہماری غلطی تھی نہ کہ قرآن مجید کی'' (تفسیر القرآن دیباچہ، ص:۲۰)

<u>سید خالد جامعی اس پر تبصرہ فرماتے ہیں کہ:</u>

اـ بات انبیاء علیہ السلام کے معجزات کی چل رہی ہے اور سرسید مثال اجرام فلکی سے پیش فرما رہے ہیں۔ قرآن کریم کے الفاظ سے قطعاً یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سورج زمین کے گرد گھوم رہا ہے۔ قرآن کے الفاظ یہ ہیں: (والشمس تجری لمستقرلها) ''سورج اپنی قرارگاہ پر چل رہا ہے'' (یس:۳۸/۳۶) اور اس سے مراد اس کی محوری گردش بھی ہوسکتی ہے اور اپنے خاندان سمیت کسی بڑے سیارہ کے گرد گردش بھی سرسید کو بخوبی اندازہ تھا کہ سائنسی تحقیقات میں تبدیلی کے ساتھ ہی ان کی تفسیر مسترد کردی جائے گی لہٰذا وہ اس کی غلط سلط تاویل پیش فرما کر استرداد کی پیش قدمی کر رہے ہیں۔ علامہ جوہری طنطاوی نے قرآن کریم کی سائنسی تفسیر کئی جلدوں میں کی تھی لیکن یہ تفسیر چند سال میں ہی مسترد ہوگئی کیونکہ سائنس کے بہت سے نظریے بدل گئے اور بہت سے سائنسی امور علامہ طنطاوی سمجھ نہ سکے۔ سائنس کی بنیاد پاپر کے اصول Falcification پر ہے لہٰذا سائنس کا کوئی نظریہ حتمی، قطعی اور آخری نہیں ہوتا یہ سائنس کا دعویٰ ہے۔ افسوس یہ ہے کہ منکرین حدیث فلسفہ اور سائنس کے بنیادی مباحث سے قطعاً ناواقف ہیں اور ٹھوکریں کھاتے ہیں۔

30

اسکے علاوہ قران کو معجزہ نا جاننا،معجزات موسیٰؑ ،عیسیٰؑ ،جنات،کا انکار،حدیث کی اہمیت کا انکار،ملائیکہ کے وجود کا انکار،جبرائیل کا انکار،سود کو حلال جاننا،احرام کو لباس جاہلیت گردانتا،حقوق نسواں کا انکار،توریت و انجیل میں عدم تحریف کا اعتقاد،خلفائے راشدین میں سے عثمانؓ اور صدیق اکبرؓ کی شان میں بدکلامی،عیسیٰؑ کو یوسف کا بیٹا گردانتا،مریمؑ کو یوسف کی زوجہ بتانا،انکا جھولے میں کلام کرنے کا انکار عام باتیں ہیں جو کلامِ سرسید میں ملتی ہیں،میں نے جتنے معجزات کی قرانی فہرست اور اقسام کا ذکر کیا سید صاحب نے اپنی تفسیر میں سب کا کھل کر انکار کردیا ہے:

31

---

[30] خالد جامعی،سید:روایت و جدیدیت کی کشمکش:جامعہ کراچی دارالتحقیق برائے علم و دانش:۲۰۱۶:جلد :دویم:صہ:۱۰۹.

<u>سید صاحب کے موقف کو عیاں کرتے ذیل کے دو بیانات پر غور کریں تو انکے اصول ابطال کا اندازہ بخوبی ہو جائیگا:</u>

۱.

"قوانین قدرت ہم کو معلوم نہیں اور جو معلوم ہیں وُہ نہایت قلیل ہیں اور ان کا علم بھی پُورا نہیں بلکہ ناقص ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جب کوئی عجیب اَمر واقع ہو اور اس کے وقوع کا کافی ثبوت بھی ہو اور اُس کا وقوع معلومہ قانونِ قدرت کے مطابق بھی نہ ہوسکتا ہو اور یہ بھی تسلیم کرلیا جائے کہ بغیر دھوکہ وفریب کے فی الواقعہ ہُوا ہے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ فی الواقعہ بلاشُبہ اس کے وقوع کے لیئے کوئی قانونِ قدرت ہے مگر اس کا علم ہم کو نہیں کہ خلافِ قانون قدرت کوئی امر نہیں ہوتا۔ اور جب وُہ کسی قانونِ قدرت کے مُطابق واقع ہُوا ہے تو وُہ معجزہ نہیں کیونکہ ہر وُہ شخص جس کو وُہ قانون معلوم ہوگیا۔ اس واقعہ کو کرسکے گا۔"

(تفسیر القرآن ج ۲ ص ۳۴)

۲.

حکماء وفلاسفہ نے معجزات یا کرامات کا انکار خواہ کسی وجہ سے کیا ہو، ہمارا انکار صرف اس بنا پر نہیں کہ وُہ مخالف عقل کے ہیں اور اس لیئے انکار کرنا ضرور ہے بلکہ <u>ہمارا انکار اس بنا پر</u> ہے۔ کہ قرآن مجید سے معجزات وکرامات یعنی ظہور امور کا بطور خرقِ عادت یعنی خلافِ فطرت یا خلافِ حقیقت کے امتناع پایا جاتا ہے جس کو ہم مختصر لفظوں میں یُوں تعبیر کرتے ہیں کہ کوئی امر خلافِ قانونِ قدرت نہیں ہوتا۔"

(حوالہ ایضاً)

---

31 ایضاً: ۱ صہ: تا ۲۰ :میں سید صاحب کے تمام فقرے،کلمات،حوالے دیکھیں ۔

ذیل میں مولانا عبدالرحمان کیلانی ؒ کا منکرین معجزات کا ایک مختصر ابطال کرتا بیان پیش کیا جاتا ہے:

آپ فرماتے ہیں کہ :

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيلًا (۳۵ / ۴۳)	سو تم خُدا کی عادت میں ہرگز تبدّل نہ پاؤ گے اور خُدا کے طریقے میں کبھی تغیّر نہ دیکھو گے۔

اب سوال یہ ہے کہ خُدا کا وُہ کون سا طریقہ یا قانون ہے جس میں تغیّر و تبدّل ممکن نہیں؟ قوانین قُدرت تو لاتعداد ہیں اور مختلفُ النّوع ہیں۔ کچھ قوانین اجرام فلکی کی حرکت اور اُن کی کششِ ثقل سے تعلق رکھتے ہیں۔ کچھ دُوسرے اشیاء کے خواص سے مثلاً مائعات نشیب ہی کیطرف بہتے ہیں اور جِسم گرم ہو کر اُوپر اُٹھتی ہے۔ زہر انسان کو ہلاک کر دیتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ پھر کچھ قوانین ایسے ہیں جو اخلاقیات سے تعلق رکھتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو جاندار اشیاء کے طبعی تقاضوں اور حیات و ممات سے تعلق رکھتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں یہ دیکھنا پڑے گا کہ قرآن کریم جس "اللہ کے طریقہ" کو غیر متبدّل قرار دیتا ہے۔ وہ کون سی نوع سے متعلق ہے۔

قرآن کریم میں یہ الفاظ متعدد بار استعمال ہوئے ہیں اور ان سب مقامات کے سیاق و سباق پر نظر ڈالنے سے یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس سُنّت یا قانون کو غیر متبدّل قرار دیا ہے وہ انسان کے اخلاق سے تعلّق رکھتا ہے اور قوموں کے عروج و زوال کے قانون کو غیر متبدّل قرار دیتا ہے یعنی جب کوئی قوم اپنی سرکشی کی بنا پر نبی کو وہاں سے نکلنے پر مجبور کر دیتی ہے یا اخلاقی پستیوں میں گر جاتی ہے تو وُہ عذاب میں ماخوذ اور زوال پذیر ہو جاتی ہے۔ یہی اللہ کا قانون ہے جس میں تغیّر و تبدّل ناممکن ہے۔ اب متعلقہ آیات مُلاحظہ فرمایئے:۔

(۱)۔ وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ فَهَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ فَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا وَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا ‎(٣٥/٤٣)

اور بُری چال کا وبال اس کے کرنے والے ہی پر پڑتا ہے۔ یہ لوگ تو بس پہلے لوگوں کے طریقہ کے منتظر ہیں۔ سو تم خدا کی عادت میں ہرگز تبدّل نہ پاؤ گے اور نہ ہی خدا کے طریقے میں تغیر دیکھو گے۔

(۲)۔ وَإِن كَادُوا لَيَسْتَفِزُّونَكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا وَإِذًا لَّا يَلْبَثُونَ خِلَافَكَ إِلَّا قَلِيلًا سُنَّةَ مَن قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِن رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا ‎(١٧/٧٧)

اور قریب تھا کہ یہ لوگ تمہیں زمین (مکہ) سے پھسلا دیں تاکہ تمہیں وہاں سے جلاوطن کر دیں اندریں صورت یہ لوگ بھی تمہارے بعد نہ ٹھہر سکتے مگر تھوڑی مدت۔ جو پیغمبر ہم نے تجھ سے پہلے بھیجے تھے ان کے بارے میں بھی ہمارا یہی طریق رہا ہے اور تم ہمارے طریق میں تغیر و تبدّل نہ پاؤ گے۔

(۳)۔ مَّلْعُونِينَ أَيْنَمَا ثُقِفُوا أُخِذُوا وَقُتِّلُوا تَقْتِيلًا سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلُ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ‎(٣٣/٦١-٦٢)

وہ پھٹکارے ہوئے جہاں پائے گئے پکڑے گئے اور جان سے مار ڈالے گئے جو لوگ پہلے گزر چکے ہیں انکے بارے میں بھی ہمارا یہی طریقہ رہا ہے اور تم خدا کی عادت یا قانون میں تغیر و تبدّل نہ پاؤ گے۔

(۴)۔ ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلُ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ‎(٤٨/٢٣)

پھر وہ نہ کسی کو دوست پاتے اور نہ مددگار یہی خدا کی عادت ہے جو پہلے سے چلی آتی ہے اور تم خدا کی عادت میں تغیر و تبدّل نہ پاؤ گے۔

مندرجہ بالا جملہ مقامات میں قوموں کی اخلاقیات اور ان کے زوال کا قانون بیان کیا گیا ہے۔ اور یہی وہ قانون ہے جس میں کبھی تبدیلی ممکن نہیں۔

قوانینِ فطرت میں مستثنیات: رہے دوسرے قوانینِ فطرت یا قدرت تو ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ ان میں تبدیلی ممکن ہے۔ اب ان کی مثالیں ملاحظہ فرمائیے:۔

(۱)۔ عام قانونِ فطرت یہ ہے کہ تندرست والدین کے ہاں انہیں سے ملتا جلتا بچہ پیدا ہو لیکن کبھی بچہ اندھا پیدا ہوجاتا ہے۔ کبھی لنگڑا لولا کبھی دو سر والا۔ جو عام قانونِ قدرت کے خلاف ہے۔

(۲)۔ مائعات کی یہ خاصیت ہے کہ وہ جم کر سکڑ جاتے ہیں لیکن پانی اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ پانی مائع ہونے کے باوجود جم کر پھیلتا ہے۔

(۳) ۔ زہر انسان کو ہلاک کر دیتا ہے لیکن کبھی وُہی زہر کسی انسان کے لیئے تریاق بھی بن جاتا ہے ۔

(۴) ۔ اجرامِ فلکی کی حرکت کے قوانین جو ہمیں لگے بندھے اصُولوں کے مُطابق نظر آتے ہیں ۔ تو اس کی وجہ محض یہ ہے کہ ان کے مقابلے میں بنی نوعِ انسان کی عمر نہایت قلیل ہے ۔ ورنہ اس عظیم کائنات کا وجود میں آنا اور پھر کسی وقت فنا ہو جانا ان قوانین میں تغیّر و تبدّل کی واضح دلیل ہے ۔

یہ اور ایسے بے شمار واقعات اور مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں جن سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ قوانینِ قدُرت میں مستثنیات موجود ہیں ۔ اگر زہر کسی انسان کے لیئے تریاق بن سکتا ہے تو آگ کسی خاص انسان کیلئے ٹھنڈی اور سلامتی والی آخر کیوں نہیں بن سکتی ؟

ہمارے خیال میں انکارِ معجزات کی وجہ یہ نہیں کہ قوانینِ فطرت میں استثناء نا ممکن ہے کیونکہ ایسے مستثنیات تو اکثر مشاہدہ میں آتے ہی رہتے ہیں ۔ بلکہ اس انکار کی تہہ میں وہی ارسطو کا خدا کے متعلق تجریدی تصوّر کارفرما ہے ۔ جس نے خدا کو بھی اپنے وضع کردہ قوانین کا پابند بنا کر محض ایک خاموش تماشائی کی حیثیت دیدی ہے پھر ان معتزلین اور ان کے ہم نواؤں کی ستم ظریفی دیکھئے کہ خُدا کو تو مجبور و بے بس اور قدرت سے عاری تصوّر کرتے ہیں مگر خود تقدیر کے معاملہ میں مختارِ کُل بن بیٹھتے ہیں ۔

32

حق و انصاف یہ ہے کہ کل امت کا قران میں بیان کردہ اُن معجزات پر اور احادیثِ صحیحہ و مرفوعہ پر جو اسناد سے ثابت ہوں چاہے قران میں بیان کئے گئے ہوں یا احادیثِ صحیحہ و مرفوعہ میں بیان کئے گئے ہوں پر،اجماعی،اتفاق ہے ذیل پر سلف و خلف کا اس پر اجماعی موقف بیان کیا جاتا ہے اور یہ سب جامع العلوم تھےاور عقل و نقتل دونوں علوم کے جماع تھے۔

---

[32] عبدالرحمان کیلانی،مولانا:محولہٰ بالا:صہ:۴۵۔۴۹۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ :

معجزات کا ظہور صرف انبیاء سے ہوتا ہے۔

(الرعد: ۳۸)	(القمر: ۲)	(الشعرا: ۳۰-۳۱)	(القصص: ۳۲)

ان آیات سے یہ حقیقت منصہ شہود پر جلوہ گر ہوتی ہے کہ اگر ساحر یا کسی اور میں یہ طاقت ہوتی کہ کسی چیز کی ماہیت یا نوع کو تبدیل کر سکتا تو انبیاء کے معجزات کو دلیل و برہان کہنا درست نہ ہوتا۔ پھر جو لوگ معجزات کو سحر کہتے تھے نہ اُن کی تردید کی جا سکتی تھی اور نہ ہی یہ معجزات انبیاء کے لیے آیت یا نشانی بن سکتے تھے۔

اور جو شخص اس بات کا مدعی ہو کر قلب ماہیت اسی صورت میں معجزہ کہلا سکتا ہے جب کوئی نبی اس کی بنا پر لوگوں کو چیلنج کرے تو وہ شخص جھوٹا ہے اور اس کا دعویٰ کسی عقلی یا کتاب و سنت کی دلیل سے عاری ہے اور جس چیز کی یہ کیفیت ہو وہ باطل ہوتی ہے۔ اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ کھجور کے تنے کی (فراق نبوی میں) آہ و زاری، ایک صاع جَو کے کھانے سے سینکڑوں لوگوں کا سیر ہونا، حضور کی انگلیوں سے پانی کا پھوٹ نکلنا، چھوٹے سے پیالے سے جس کا قطر ایک بالشت سے بھی کم تھا چودہ سو آدمیوں کی سیرابی،

ان میں سے کوئی چیز بھی حضورؐ کا معجزہ نہیں۔ اس لیے کہ آپ نے ان کی بنا پر کسی کو چیلنج نہیں کیا تھا۔

33

واضح رہے کہ امت کے علما ،زاہد و صالحین صرف معجزات ہی نہیں بلکہ متقی،پرہیزگار،باشرع مومنوں اور موحدوں سے کرامات اور شیطانی علوم کے ماہرین سے خرافات کے قایل چلے آرہے ہیں،اولیا رحمان و شیطان میں تفریق پیروی شریعت اور توحید پر عامل ہونے پرمنحصر ہے،مشرک مسلم کے محیر العقول مظاہرات کو کرامات نہیں خرافات و کراتب الشیاطین سے موسوم کیا جائے گا:

---

[33] ابن حزم ظاہریؒ ،امام۔المحلی:مسایل توحید:دارالدعوۃ السلفیہ،لاہور:۱۹۸۴:صہ:۷۲۔۷۳۔

جیسا کہ امام طحاویؒ اپنے عقیدہ میں اور علامہ ابن ابی العزؒ اسکی شرح میں فرماتے ہیں:

امامِ طحاوی

ان سے صحیح ثقہ راویوں کی وساطت سے جو کرامات منقول ہیں ہمارا ان پر ایمان ہے۔

علامہ ابن ابی العزؒ

لغۃً معجزہ اور کرامت ہر خرق عادت کا نام ہے
متقدمین اہل علم سے کرامت کی تعریف اسی طرح منقول ہے جبکہ اکثر متأخرین معجزہ وکرامت میں فرق بتاتے ہیں وہ کہتے ہیں نبی سے خرق عادت کا صدور معجزہ کہلاتا ہے اور ولی سے خرق عادت کا صدور کرامت کہلاتی ہے خیال رہے کہ کمال درجے کے اوصاف علم، قدرت، غنی ہیں یہ تینوں اوصاف کاملاً تو صرف اللہ وحدہ لاشریک کا خاصہ ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے اور وہ ہر چیز پہ قادر ہے نیز وہ عالمین سے مستغنی ہے یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ان تینوں کے دعویٰ سے براءت کا اظہار کیا جائے ارشاد خداوندی ہے۔ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ (الانعام ۵۰)
ترجمہ: کہہ دو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ (یہ کہ) میں غیب جانتا ہوں اور نہ ہی تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو صرف اس کے حکم کی اتباع کرتا ہوں جو مجھے خدا کی طرف سے آتا ہے۔

[34] ابن ابی العز،علامہ:شرح العقیدة الطحاویہ:ضیا السنتہ: فیصل آباد:صہ:۶۲۹۔۶۳۰۔

حضرت عبدالقادر جیلانی ؒ کرامت کی بات فرماتے ہوئے مریدوں کو بدعتِ اظہار کرامت سے احتیاط کا مشورہ دیتے ہیں،جسکی کسی نے لگتا ہے تعمیل نہیں کی ہے :

ولایت کی شرط ہے کہ کرامت کو پوشیدہ رکھا جائے جب کہ نبوت ورسالت میں معجزات کا ظہور شرط ہے تا کہ نبوت اور ولایت میں فرق ہو جائے اس لیے مبتدی کو اس کی پابندی کرنی لازم ہے۔

مرید پر لازم ہے کہ وہ مقامات تقصیر میں واقع نہ ہو یعنی ان لوگوں سے میل ملاپ نہ رکھے جو اسلام وایمان کے تو داعی ہیں مگر عمل میں کوتاہ ہیں' ناکارہ ہیں' محض باتیں بناتے ہیں' اعمال واحکام کی مخالفت کرتے ہیں' انہی لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے [اے ایمان والو! وہ بات کیوں کہتے ہو جسے تم نے کیا ہی نہیں' اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ بڑا گناہ ہے کہ تم ان باتوں کا دعویٰ کرو جو تم نے انجام نہیں دیں (الصف:۲-۳)] نیز فرمایا [کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھلا دیتے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو' کیا پھر بھی تمہیں عقل نہیں؟ (البقرۃ:۴۴)] [35]

امام ابن تیمیہ ؒ عقیدہ الواسطیہ میں فرماتے ہیں کہ:

((ومن أصول اهل السنة: ألتصديق بكرامات الأولياء .))

''اہل سنت کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ وہ کرامات اولیاء کی تصدیق کرتے ہیں۔''

---

[35] جیلانی،عبدالقادرؒ۔غنیتہ الطالبین۔نعمانی کتب خانہ:لاہور:صہ:۶۰۹۔

شیخ صالح العثمین ؒ اسکی شرح میں فرماتے ہیں کہ :

شرح:......اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اولیاء کون ہیں؟اس کا جواب یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے اس کو اس طرح واضح فرمایا ہے:

﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ o الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ o﴾

(یونس: ٦٣۔٦٢)

''خبردار! اولیاء اللہ پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے یعنی وہ جو ایمان لائے اور اللہ سے ڈرتے رہے۔''

شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ہر متقی مومن اللہ کا ولی ہوتا ہے۔'' [مجموع الفتاوی: ٢٨/٥٧٠، ٢٥/٣١٦، ٢٨/٥٧٠.]

ولایت دعویٰ وتمنا سے نہیں بلکہ ایمان وتقویٰ سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے بارے میں ولی ہونے کا دعویٰ کرے مگر وہ تقویٰ وطہارت سے عاری ہو تو اس کا یہ دعویٰ رد کر دیا جائے گا۔

کرامت کی تعریف

کرامات: کرامة کی جمع ہے، اور یہ خارق عادت چیز سے عبارت ہے، جس کا اللہ تعالیٰ ولی کے ہاتھ پر اجرا فرماتا ہے جس سے مقصود اس کی تائید ہوتی ہے، یا اعانت یا تثبیت یا پھر دین کی نصرت واعانت۔

صلہ بن اُشیم نام کے جس آدمی کا گھوڑا اس کے مرنے کے بعد اللہ نے زندہ کر دیا، یہاں تک کہ وہ اپنے گھر پہنچ گیا اور گھر آنے پر اپنے بیٹے سے کہنے لگا: گھوڑے سے زین اتار دیں، جب اس نے زین اتار کر رکھ دی تو وہ گر کر مر گیا۔ یہ اس شخص کی اعانت کے لیے اس کی کرامت تھی۔

[اصفة الصفوة: ٣/٢١٧ ۔ الزهد، لابن المبارك: ٢٩٥، انہوں نے گھوڑے کے مرنے کا نہیں بلکہ اس کے بھاگ جانے کا ذکر کیا ہے۔]

جس کرامت کا اظہار نصرت اسلام کے لیے ہوتا ہے، اس کی مثال حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آنے والا دریا عبور کرنے کا واقعہ ہے۔ اسی طرح کا ایک واقعہ دریائے نیل کو عبور کرتے وقت حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی

پیش آیا تھا۔ یہ دونوں واقعات تاریخ میں بڑی شہرت رکھتے ہیں۔

پس کرامت، خارق عادت واقعہ سے عبارت ہے مگر جس چیز کا اظہار عادت کے مطابق ہوا اسے کرامت نہیں کہا جاتا۔ اللہ تعالیٰ اس چیز کو ولی کے ہاتھ پر جاری کرتا ہے تاکہ جادو اور شعبدہ بازی کے امور سے احتراز کیا جا سکے جو لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے اور ان کی عقول و افکار سے کھیلتے ہیں۔ کرامت قرآن وسنت اور واقع سے ثابت ہے۔ اس کا اظہار پہلے بھی ہوتا رہا اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا۔

36

معجزہ اور کرامت کا تعلق:

یہ بات ہر کسی کے لئے جاننا ضروری ہے کہ معجزہ کو ماننے سے کرامت کا نفس مضمون شرعی شرایط کے ساتھ ماننا چاہئے اور کرامت کا ثابت کرنا اسکا اعتقاد رکھنا ،اس سے ہزار گنا افضل شہ معجزات کو علمی طور پر تسلیم کرالیتی ہے اسی طرح ،معجزات کو مانکر کرامت جسکا درجہ معجزات سے ہزار گنا کم ہے،جسکا موقع محل،تعین کرنے کا ابہام زیادہ ہے تو معجزہ کے سبب شرعی بنیادوں پر متقی،پرہیزگار،موحد مومن،ولیوں سے صدور کیا جانا ماننا پڑھتا ہے،باقی کون اولیا اللہ ہے اور کون نہیں؟ اسکا صد فیصد علم تو عالم الغیب الشہاۃ اللہ رب العالمین کے علاوہ کسی کو نہیں ،اور نا اسلاف اولیا اللہ کو خود کو ظاہر کرنا ،کرامتیں دکھانا ،پسند فرماتے تھے،ہاں کسی کے ظاہراً شریعیت کے تابع ہونے،عبادت گزار ہونے،غیر ریاکار ہونے،صحیح العقیدہ،موحد ہونے سے اسکے اولیا اللہ ہونے کا گمان غالب کرنا جایز ہے۔

امام اشعریؒ کی تحقیق :

امام اشعریؒ نے اپنے مقالات کی جلد دویم میں کرامت کے ضمن میں نفس مضمون و اختلاف کا جائزہ لیا ہے:

جیسا کہ انھونے ذکر کیا ہے کہ :کچھ لوگ غیر انبیا سے اسکے صدور کے منکر ہیں،روافض اپنے اماموں پر فرشتے اترنے اور انکے معجزات کے قایل ہیں،(اس ضمن میں ان سے بدعقیدگی پھیل کر اہل سنت کے صوفیا سے عامتہ الناس تک پھیل گئی ہے)،ایک بد عقیدہ گروہ خرمدینیہ کا کہنا ہے کے نبوت جاری ہے،اور انکے آیمہ شریعت کو بھی منسوخ کرسکتے ہیں،کچھ غیر دعوےدار صالح افراد سے اسکا صدور جایز مانتے ہیں مگر جھوٹے مدعیان سے اسکا صدور جایز نہیں جانتے(سلف کے زاہد کرامتوں کے

---

[36] محمد بن صالح العثمین،شیخ۔ شرح عقیدہ الواسطیہ :الفرقان ٹرسٹ،مظفر گڑھ، پاکستان :صہ :۵۱۱ ۔۵۱۲۔

دعوےدار نا تھے،مگر ان سے صدورِ کرامت کا ثبوت ملتا تھا:معج)،ایک گروہ کے نزدیک جھوٹا مدعی الوہیت (جھوٹے) معجزات دکھانے پر قادر ہے مگر جھوٹا مدعی نبوت نہیں ہے۔

<u>پھر امام صاحب صوفیا کے عقاید بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:</u>

قدیم صوفیا کے عقاید امام اشعری کی زبانی

۱. کچھ صوفیا کے نزدیک یہ بات بالکل قرین عقل ہے کہ صلحا سے معجزات کا ظہور ہو۔ جنت کے میووں سے وہ یہیں دنیا میں لطف اندوز ہوں۔ اور حوروں کے لطف صحبت سے محظوظ ہوں۔ اور یہ کہ فرشتے ان کے روبرو ظاہر ہوں۔ اور شیاطین کو یہ دیکھیں۔ اور ان سے نبرد آزما ہوں۔ لیکن ان کے نزدیک دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن نہیں۔ کیونکہ اس کا تعلق صلہ اعمال سے ہے۔

۲. کچھ دوسرے صوفیا، ان باتوں کے علاوہ اس چیز میں بھی کوئی استحالہ محسوس نہیں کرتے کہ صلحا دنیا ہی میں دیدار الٰہی سے مشرف ہوں۔ اور یہ کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ نشست و برخاست رکھیں۔

۳. بعض کا کہنا ہے کہ صلحا سے نہ صرف معجزات کا صدور ہو سکتا ہے بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ انھیں ان کے اعمال کا صلہ یہیں دنیا ہی میں مل جائے۔ یعنی ان پر عبادت کا لزوم قائم نہ رہے۔ اور دنیا دما فیہا ان کے لیے مباح قرار پائے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جس عورت سے یہ چاہیں تعلقات پیدا کریں۔ اور جو چیز چاہیں کھا پی سکیں۔ ان کے لیے حلال و حرام کی تمیز کا سوال ختم ہو جائے۔ یہ "اباحیہ" کا قول ہے۔

ان کا یہ خیال ہے کہ ان کی عبادت ان کو ایسے مقام پر پہنچا دیتی ہے کہ جہاں ہر ہر شے ان کے تابع فرمان کر دی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ اگر یہ دینار پیدا کرنا چاہیں تو وہ بھی ان کے حکم سے پیدا ہو جائیں۔ اور کسی بھی چیز کا حصول ان کے لیے مشکل نہ رہے۔ ان ہی کے بعض یہ رائے رکھتے ہیں کہ فرط عبادت انھیں درجہ میں انبیاء اور ملائکہ مقربین سے بھی آگے بڑھا دیتی ہے۔

---

37 ابو الحسن اشعری،امام ۔ مقالات الاسلامین۔ادارہ ثقافتِ اسلامیہ،لاہور:۱۹۷۰ : جلد دویم :صہ:۱۹۰۔۱۹۱۔

امام صاحب کی اس کتاب میں مسلم عقاید کی بحث دیکھ کر فلاسفہ کے مقابل امام صاحب کی گفتگو دیکھ کر ہی ان لوگوں کا ابطال ہوجاتا ہے، جنکا کہنا ہے کہ علم کلام اور مسلم فلسفہ کی درجہ بندی،اصطلاح سازی،بطور علم ترتیب پانچویں صدی میں غزالیؒ کے ہاتھوں ہوئی،اور نبی اکرم کے بعد غزالیؒ سب سے اہم شخصیت اور دین کے محافظ ہیں،اگر ایسا ہے تو تم سب آیمہ مجتھدین کی تقلید کے کیوں دعوے دار ہو،غزالیؒ جب نبی اکرم کے بعد افضل ہیں تو انکی تقلید کرنا ان پر واجب ہوجاتا ہے ، ہم کہتے ہیں کہ :نادانوں انکا مقام اپنی جگہ مسلم ہے کہ انھونے اس دور کے باطنیوں کے خلاف لکھا جنکا اس دور میں بڑا زور تھا اور جو دین اسلام اور اہل سنت کے خلاف فلسفہ سے دلایل لایا کرتے تھے کا اپ نے ابطال کیا ۔

،مگر جان لو کہ اسلام کو ایسی حالتیں ہمیشہ سے برداشت کرنی پڑی ہیں،امام امام احمدؒ کا دور اس ضمن میں معروف تھا،ابن حزمؒ کا ایسوں سے مناظرہ معروف ہے جو غزالیؒ کی چھ سال کی عمر تک انتقال کر گئے تھے۔ ۔کسی کا احترام کرو اسکو سراہو مگر حد تجاوز سے نا بڑھو اور ایسا حد تجاوز کہ صحابہ،تابعین،تبع تابعین،محدثین،آیمہ مجتھدین،اور انکے مثل سلف کو گرا کر ان سے بعد کے نسبتاً کم علم غزالیؒ کو صوفیت سے محبت کے سبب ایسا مقام دینا قابل افسوس ہے۔

غزالیؒ کو صرف کو فلسفہ اور علم کلام یا تصوف کا عظیم فرد جانا جائے تو زیادہ عمدہ ہوگا ورنا جوامع العلوم شخصیات تو کئی اسلام میں گزری ہٰن اور انکی کبھی قلت نہیں ہوئی۔

امام ابو القاہر البغدادی(متوفی:۴۴۹ھ) کو لے لو یہ امام ابن حزمؒ کے ہم عصرمگر ان سے عمر میں زیادہ اور ان سے قبل انتقال کرنے والے تھے ،اب امام اشعریؒ،امام،طحاویؒ،امام بہیقیؒ سے امام ابن حزمؒ تک حدیث،عقاید اور فلسفہ و کلام کے شرعی مباحث دیکھو تو انکی وسعت علمی کا اندازہ ہو ۔

<u>امام عبد القاہرؒ فرماتے ہیں کہ:</u>

اہلسنت کا کہنا ہے: کہ معجزات مدعی نبوت کے ہاتھوں سے سرانجام پاتے ہیں۔اور انکا وقوع خلاف عادت (فطرتؔ) ہوتا ہے،جسکا مقصد نبی کی قوم سے نبی کا دعویٰ میں مقابلہ مقصود ہوتا ہے،اور قوم اسکے سامنے عاجز ہوجاتی ہے،اور یہ اسکے سچے ہونے کی دلالت کرتے ہیں۔

آگے فرماتے ہیں کہ: اولیا اللہ سے کرامت کا صدور جایز ہے۔اور جو اکثر اسے لوگوں سے خفیہ رکھتا ہے اسکی حالت میں تغیر ممکن ہے ،جیسے ،ملعون بلعم بن

باعور[38] جو صاحب کرامت تھا کی حالت میں تغیر رونما ہوا تھا۔اس کے مقابل نبی اور اسکے معجزہ کی حالت میں تغیر نہیں آتا،اسی طرح وہ بیان کرتے ہیں کہ قران اہل سنت کے نزدیک ایک معجزہ ہے اسی طرح نبی اکرم ﷺ کے معجزات ، ثابتہ برحق ہیں [39].

<u>شاہ ولی اللہ صاحب کی طرف منسوب عقیدہ حسنہ میں انکا موقف یوں عیاں ہوتا ہے کہ :</u>

شاہ ولیؒ کا معجزات و کرامت کے متعلق عقیدہ :

مِنْهَا خَرْقُ الْعَوَائِدِ لَهُمْ وَمِنْهَا سَلَامَةُ فِطْرَتِهِمْ وَكَمَالُ أَخْلَاقِهِمْ وَغَيْرُ ذَالِكَ۔	ان میں سے ایک خرق عادت (معجزات) کا ان سے ظاہر ہونا۔ اور ان باتوں میں یہ بھی ہے کہ ان کی فطرت سلیم ہوتی ہے اور ان کے اخلاق کامل درجہ کے ہوتے ہیں اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سی باتیں ہیں جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ میں پائی جاتی ہیں۔
وَكَرَامَاتُ الْأَوْلِيَاءِ وَهُمُ الْمُؤْمِنُونَ الْعَارِفُونَ بِاللّٰهِ تَعَالَىٰ وَصِفَاتِهِ الْمُحْسِنُونَ فِي إِيْمَانِهِمْ حَقٌّ يُكْرِمُهُمُ اللّٰهُ بِهَا	اور اولیاء کرام کی کرامات برحق ہیں اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ان کرامتوں کے ساتھ نوازتا ہے اور اپنی رحمت کے ساتھ خاص کرتا ہے جس کو چاہتا ہے
مَنْ يَّشَاءُ وَيَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يُّرِيْدُ۔	اور اولیاء ان مومنوں کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کی معرفت رکھتے ہیں اور ایمان میں پختگی اور مضبوطی کے ساتھ نیکیاں کرنے والے ہوتے ہیں۔ [40]

---

[38] الاعراف:۱۷۵۔۱۷۷:کی تفسیر:ابن اسحاق کا قول بابت بلعم بن باعور :قصص الانبیا :از :ابن کثیر دیکھیں

[39] ۔ عبدالقادر بغدادی،امام ۔ الفرق بین الفرق ۔قرطاس ،کراچی:۲۰۰۸ صہ:۵۱۱۔۵۱۳۔

[40] ولی اللہ ،شاہ ۔ عقیدۃ الحسنہ:طبع نامعلوم:صہ:۹۱،۹۳۔

<u>انبیا کرام کا خود معجزہ دکھانے سے پرہیز کرنا:</u>

ہم یہ دیکھتے ہیں کہ معجزہ انبیا کرام دکھانے کی خود پیشکش کرنے سے پرہیز کرتے ہیں کیونکہ معجزہ کمزور ایمان لوگوں ،شریر شیطان صفت لوگون کے مطالبے پر پیش کئے جاتے ہیں ،ورنا انبیا کرام کی ذوات قدسیہ ،پیغام،ان پر اترتی وحی ہی اصل معجزہ ہے ،ایک اور سبب سے انبیا کرام اس سے دامن بچایا کرتے تھے کہ ،یہ لوگ معجزہ دیکھ کر بھی اسلام نا قبول کریں ،تو بعد میں ٹھٹھا کرنے کے لئے معجزہ طلبی کی نئی نئی فہرستیں آتی رہنگی،ہدایت و پیغام کے امر پس مردہ چلے جائینگے،پھر سب سے اہم امر ،معجزہ مانگ کر دیکھنا اور پھر سابقہ عقیدہ پر قایم رہنا ،دنیا کی انبیئائی تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ اسکا نتیجہ تباہی کی صورت میں نکلا دیکھ لو عاد و ثمود،اور فرعون کی قوم کو فرعون کے دور میں موسیٰ ؑ نے نو دس معجزے دکھا دئے وہ شیطان مانکر نہیں دیے۔

<u>غزالیؒ اور دیگر معقولی علما نے اس بات کو محسوس کر لیا تھا جیسا کہ انکا فرمان ذیل نبوت اور معجزہ کے ضمن میں خاکسار بیان کرتا ہے :</u>

۱۔یہ علومِ معجزاتِ انبیا سے تعلقات رکھتے ہیں اور انکا حصول بذریعہ عقل(یا اکتساب علم) سےحاصل کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے۔

۲۔اگر تم کو کسی کے نبی ہونے میں شک ہو تو اسکا اور کیا راستہ نظر آتا ہے سوائے اسکے کہ تو :بذریعہ مشاہدہ اور متواتر روایت کے اسے نبی جانے۔[41]

---

[41] جیسا کہ متواتر ،صحیح حسن لغیرہ و لذاہ اسناد ،تواتر تاریخ اسکا ثبوت فراہم کرتا ہے کہ محمد نامی نبی گزرے تھے انکےا ہل شہر نے انکا انکار کیا اور انھونے دور مدینہ میں ایک ریاست الہی قایم کرکے بعد ازاں اپنے سے طاقتور قریش پر فتح پائی اور انکی حیات میں کل عرب حلقہ اسلام میں داخل ہوگیا۔

۳۔

۔ اس طرح پر جب تو نے معنے نبوت سمجھ لئے تو تجھکو چاہئے
لہ قرآن مجید اور احادیث میں اکثر غور کیا کرے کہ تجھ کو آنحضرت صلعم
کی نسبت یہ علم یقینی حاصل ہوجائیگا ۔ کہ آپ اعلے درجۂ نبوت رکھتے تھے
اور اس کی تائید اُن امور کے تجربہ سے کرنی چاہئے جو آپ نے در باب
عبادات بیان فرمائے ۔ و نیز دیکھنا چاہئے کہ تصفیہ قلوب میں اُنکی تاثیر
کس درجہ تک ہے ۔ آپ نے کیسا صحیح فرمایا کہ جس شخص نے اپنے علم
پر عمل کیا اللہ تعالیٰ اُس کو اُس چیز کا علم بخشتا ہے ۔ جس چیز کا
علم اُس کو حاصل نہیں تھا ۔ اور کیسا صحیح فرمایا کہ جس شخص نے ظالم کی
مدد کی تو اللہ تعالیٰ اُس پر اُس ظالم کو ہی مسلط کرتا ہے ۔ اور کیسا صحیح
فرمایا کہ جو شخص صبح کو اس حال میں بیدار ہو کہ اُسکو صرف ایک خدائے واحد
کی تو لگی ہوئی ہو تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت کے تمام غموں سے اسکو
محفوظ کرتا ہے ۔ جب تم کو ان امور کا ہزار یا دو ہزار یا کئی ہزار مثالوں
میں تجربہ ہوگیا تو تم کو ایسا علم یقینی حاصل ہوجائیگا کہ اُس میں ذرا
بھی شک نہیں ہوگا ۔ پس نبوت پر یقین کرنیکا طریق ہے ۔

۴۔ غزالیؒ نے اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ بعض معجزات صبح صادق کی طرح روشن ہوکر بھی سامنے والے کو اس شک و تردد کا شکار کر سکتے ہیں کہ یہ معجزہ ،تھا کہ نظر بندی جبھی وہ اسے ایمان رکھنے اور تواتر علمی کی پیروی کا مشورہ دیتے نظر آتے ہیں۔[42]

42۔ ابو حامد غزالی،امام۔المنقذ من الضلال :فی مجموعہ رسایل غزالی :دارالاشاعت ،کراچی :جلد:سویم:صہ: ۱۲۸ ۔۔۱۳۱۔

<u>مولانا اشرف علی تھانوی نے اس ضمن میں تعاقب علمی کرتے ہوئے نفس مضمون کو تو تسلیم کرلیا مگر محاکمہ کرنابھی پسند فرمایا :</u>

تیسری غلطی یہ کہ معجزات کو دلیل نبوت نہیں قرار دیا جاتا بلکہ صرف حسن تعلیم و حسن اخلاق میں دلیل کو منحصر کیا جاتا ہے، اور اس انحصار کی بجز اس کے کوئی دلیل نہیں بیان کی جاسکتی کہ اگر خوارق کو دلیل نبوت کہا جاوے تو مسمریزم و شعبدات بھی مستلزم نبوت ہوں گے، اور یہ دلیل اس لیے لچر ہے کہ مسمریزم و شعبدات واقع میں خوارق نہیں بلکہ مستند ہیں اسباب طبعیہ خفیہ کی طرف جس کو ماہرین جان کر مدعی کی تکذیب اور نیز اس کے ساتھ معارضہ کر سکتے ہیں۔ اور انبیا علیہم السلام کے معجزات میں منکرین میں سے نہ کسی نے سبب طبعی کی تشخیص کی اور نہ کوئی معارضہ کر سکا، جس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ وہ واقع میں خوارق ہیں۔ پس معجزات و شعبدات مشترک الاستلزام نہ ہوئے، البتہ حسن تعلیم و حسن خلق بھی دال علی النبوۃ ہے مگر حکمتِ خداوندی مقتضی ہے کہ مخاطبین انبیا علیہم السلام میں چوں کہ دونوں طرح کے لوگ تھے، خواص اہلِ فہم بھی جو کہ تعلیم و اخلاق کے درجۂ علیا کا (کہ وہ بھی خارق ہے) اندازہ کر سکتے ہیں، اور عوام بلید بھی جو تعلیم و اخلاق سے استدلال کرنے میں اس وجہ سے غلطی کر سکتے تھے کہ درجۂ علیا کا اندازہ کر نہیں سکتے۔ پس ہر حکیم و خوش خلق کو نبی سمجھ لیتے، اس لیے ایک ذریعہ استدلال کا ان کے ادراک کے موافق بھی رکھا گیا، جس میں علمِ اضطراری صحت دعوی نبوت کا پیدا ہو جاتا ہے، اور دوسرے اہلِ شعبدہ سے ان کو خلط و غلط اس لیے نہیں ہو سکتا کہ یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اِن فنون کے ماہرین بھی معارضہ سے عاجز آ گئے۔

[43]

---

[43] اشرف علی تھانوی،مولانا.الانتباہاتِ المفیدہ.مکتبہ البشریٰ،کراچی:۲۰۱۱:صہ۳۷۔

نواب صدیق حسن خانؒ نے اس بابت کچھ اہم باتیں بیان فرمائیں ہیں جو قابل توجہ ہیں:

۱. نبی امی ﷺ کا سب سے عظیم معجزہ قرآن کلام اللہ ہے، جو قیامت تک باقی رہے گا۔

۲. انبیا و رسل، ملائکہ اور اولیا اگرچہ اشرف مخلوقات ہیں، لیکن ساری مخلوقات کی طرح انھیں کوئی قدرت حاصل نہیں۔ وہ صرف اتنا ہی جانتے اور اس کی قدرت رکھتے ہیں، جو انھیں اللہ کی طرف سے مل جائے۔ جس طرح تمام مسلمان اللہ کی ذات و صفات پر ایمان رکھتے ہیں، اسی طرح ان کا بھی ایمان تھا۔ انھیں ذات و صفات الٰہیہ کے ادراکِ حقیقت میں اپنے عجز و قصور کا اعتراف تھا۔ عبدیت کے تقاضے اور حقوق وہ شکر الٰہی سے ادا کرتے تھے۔ اس لیے صفاتِ الٰہیہ میں اللہ کے خاص بندوں کو شریک کرنا یا اس کی عبادت میں انھیں شریک کرنا کفر ہے۔

۳. ولایت کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ ولی معصوم ہو اور اس سے خطا اور غلطی نہ ہو۔ ولی بعض علومِ شریعت سے بے خبر رہ سکتا ہے اور اس پر بعض امورِ دین مشتبہ ہو سکتے ہیں۔ وہ کبھی خوارقِ عادت کو کرامات سمجھ لیتا ہے اور شیطان کے دھوکے میں آ جاتا ہے۔ اسے خبر نہیں رہتی کہ یہ کام شیطان کا ہے۔ اس خطا کے سبب وہ ولایت سے خارج نہیں ہوتا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے خطا و نسیان کو معاف فرمایا ہے۔ ولی کی بات ماننا کسی کے لیے ضروری ہے نہ اس کے ہر الہام، واقعہ اور کشف پر اعتماد کرنا لازم ہے۔ ہر ولی کے ہر قول و فعل کو کتاب و سنت پر پرکھنا چاہیے، اگر وہ صحیح نکلے تو ماننا چاہیے اور اگر کتاب و سنت کے مطابق نہ ہو، بلکہ ان کے مخالف ہو تو مفت میں ان کی پیروی کر کے معصیت میں پڑنا جائز نہیں۔

۴. کراماتِ اولیا برحق ہیں۔ ولی وہ ہوتا ہے جو متقی ہو، اللہ کی ذات و صفات کو خوب پہچانتا ہو اور ایمان و اسلام میں مخلص و محسن ہو۔ اس کی کرامت خرقِ عادت ہوتی ہے۔ جس سے یہ خرقِ عادت صادر ہو اور وہ مومن صالح العمل نہ ہو تو سمجھو کہ وہ کرامت نہیں ہے، بلکہ استدراج ہے۔ جس طرح ابلیس آن کی آن میں زمین طے کر کے مشرق و مغرب میں پہنچ کر وسوسہ ڈالتا ہے، یا خون کی طرح آدمی کی رگوں میں دوڑتا پھرتا ہے، یا فرعون کے حکم سے دریائے نیل بہتا تھا یا جس طرح دجال سے متعلق صحیح اخبار میں آیا ہے۔ اس طرح کے کاموں کو کرامات نہیں کہتے ہیں، بلکہ قضائے حاجات کہتے ہیں۔

۵. اولیا سے کرامت کا ظہور نقضِ عادت کے طور پر ہوتا ہے، مثلاً لمبی مسافت وہ تھوڑی دیر میں طے کر لیتے ہیں۔ ضرورت کے وقت ان کے پاس کھانا پانی موجود ہو جاتا ہے۔ مریم علیہا السلام کی یہی کرامت تھی، یا وہ پانی پر چلے جاتے ہیں، یا ہوا میں جاتے ہیں، یا جانور ان سے بات کرتا ہے، یا کسی بلا کا آنا روک دیتے ہیں، یا دشمنوں کی مہم درہم برہم کر دیتے ہیں۔ لیکن یہ سب باتیں ان کے اختیار میں نہیں ہوتی ہیں۔ یہ حکمِ الٰہی سے صادر ہوتی ہیں۔ یہ کرامتیں کبھی کبھی کسی وقت صادر ہوتی ہیں اور یہ بھی لازم نہیں کہ صادر ہی ہوں یا جس سے صادر نہ ہوں، وہ علم و تقویٰ کے باوجود ولی نہ ہو۔ ولی کو کبھی اپنا ولی ہونا بھی نہیں معلوم رہتا۔

۶. الہام، کشف اور خواب اسلام میں حجت ہیں نہ ان سے کوئی دینی حکم ثابت ہو سکتا ہے۔ ان کی حیثیت بس اتنی ہے کہ احکامِ ثابتہ کی تائید کریں۔ قاضی ثناء اللہ مرحوم نے کہا ہے کہ کشف والہام اگر آحاد احادیث اور قیاس (شروط قیاس متوفر ہونے کی صورت میں) کے خلاف ہوں تو حدیث اور قیاس کو ترجیح دی جائے گی۔ کشف والہام اور خواب پر غلطی کا حکم لگے گا۔ اس مسئلے پر سارے سلف و خلف کا اجماع ہے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول قطعی حجت ہوتا ہے، اس کی روایت میں کذب و نسیان کا بڑا کم احتمال ہے اور اولیا کے کشف میں غلطی بہت ہوتی ہے۔ [44]

---

[44] صدیق حسن خان،نواب: مجموعہ رسایل عقیدہ:دار ابی طیب:گجرانوالہ:جلد اول:صہ:۵۴۱ ۔ ۵۴۶.

اس بحث کو غزالی دوران مولانا حنیف ندوی ؒکی اس بحث پر ختم کرونگا کہ :

رازی وسہروردی کے ان بیانات پر ہم کوئی اضافہ کرنا نہیں چاہتے ۔ ہاں اتنا البتہ کہیں گے کہ سائنس سے پیدا شدہ مزعومات کا طلسم اب ٹوٹ رہا ہے ۔ اور علم وادراک کو جو ان لوگوں نے حسیات وتجربہ کے محدود وتنگ زنداں میں محصور سمجھ رکھا تھا، اس کے خلاف اب اچھا خاصا ردعمل علمی حلقوں میں رونما ہونے لگا ہے ۔ اور پڑھے لکھے اور ذوق سے آشنا حضرات بغیر کسی جھجک اور تامل کے اس حقیقت کا اعتراف کرنے لگے ہیں کہ جہاں استقراء وتخریج کے قاعدے ہتھیار ڈال دیتے ہیں اور فکر واستدلال کا اشہب رواں تھک ہار کر بیٹھ جاتا ہے وہاں اکثر وجدان وحدس (intuition) کی تیز رفتاریاں ایک ہی جست میں حقائق ومعارف کو پالینے میں کامیاب ہو جاتی ہیں ۔ یہی نہیں تاریخ شاہد ہے کہ علوم وفنون کے ارتقاء میں وجدان وحدس کا جو عظیم حصہ ہے ۔ وہ صغریٰ وکبریٰ پر مشتمل مقدمات کا نہیں ۔ اسی حقیقت کو بتغیر اسلوب یوں بھی بیان کر سکتے ہیں کہ فکر ونظر کے گوہر ہائے یک دانہ اکثر بغیر کسی قصد وارادہ، اور ترتیب موضوع ومحمول کے سطح وجدان پر خود بخود چمکے اور علم وادراک کا عنوان بنے ہیں ۔

ہمارے نزدیک وجدان وحدس ذہن وقلب کی محض ایک خصوصیت (quality) ہے ۔ اور اس کی خصوصیات ابھی ایسی بھی ہیں کہ جنہیں معرضِ ظہور میں آنا اور دنیائے مادیت میں ہلچل مچانا ہے ۔ اے کاش کائنات مادی کی طرفہ طرازیوں پر مٹا ہوا اور عجائب آفاق سے مرعوب اور متحیر انسان انفس وارواح کی پر بہار وادیوں کی طرف بھی کبھی عنان توجہ کو پھیر سکے ۔ اور دیکھ سکے کہ اس کے لطائف وخوارق کا کیا عالم ہے ۔ نیز وہ اس بات کا مشاہدہ کر سکے کہ اس کی پہنائیوں میں جو 'ایٹم' پنہاں ہیں ان میں قوت وقدرت کی کتنی مقدار مضمر ہے ۔ ضرورت ایسے پڑھے لکھے صوفیاء کی ہے ۔ جو تصوف وسلوک کے جملہ تجربات سے براہِ راست دو چار ہوں ۔ پھر اس کے نتائج ثمرات اور کشوف کو علم وفن کی واضح، مرتب اور سمجھ میں آنے والی زبان میں بیان کر سکیں ۔

یہ ضرورت اس وقت زیادہ اہمیت اختیار کر لیتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ متصوفانہ لٹریچر میں واردات وحالات کے لیے جس پیرایہ بیان کو اختیار کیا گیا ہے ۔ وہ حد درجہ غیر واضح، ناکافی اور غلط فہمیاں پیدا کرنے والی زبان پر مبنی ہے ۔ اس لیے جب تک سوجھ بوجھ والے علوم وفنون میں منجھے ہوئے حضرات اس لذت سے آشنا نہیں ہوں گے ۔ اور ان احوال وکشوف کا علمی سطح پر تجزیہ نہیں کریں گے تصوف رموز واسرار (symbols) کی حد سے آگے بڑھ کر اس پوزیشن کو حاصل نہیں کر سکے گا کہ یقین و وضاحت کے ساتھ کوئی بات کہہ سکے ۔[45]

---

[45] حنیف ندوی، مولانا۔ عقلیاتِ ابن تیمیہ :ادارہ ثقافت اسلامیہ ،لاہور: ۲۰۰۱ :صہ: ۳۱۸۔۳۱۹۔

<u>لُبِ لُباب:</u>

<u>سائنس ،مشاہدہ ،تجربہ اور اختلافِ منہج:</u>

اس تمام گفتگو کا ماحاصل یہ ہے کہ معجزہ ،نبوت و رسالت کے من جانب الہی ہونے کے دعوی کے اس ثبوت کا نام ہے جو خصم کے مطالبے،تردید.اور دعوتِ مقابلہ کے مقابل بطور براہین قاطع پیش کیا جاتا ہے.

سید احمد،نیاذ،پرویز یا غامدی مکتبہ فکر کا ان سے انکار یا انکی تاویل انکی صرف کچھ کتبِ سائینس سے اخذ کردہ نظری بحث کے سبب ہے،مطلب انکی جدید فلسفہ فکر،فسلفہ سائینس،پاپر کے نظریہ تردیدیت،ہایزنبرگ کے عدم تعین کے اصول یا،نظریہ جبر کی تردید سے عدم واقفیت کے سبب انکے مقلدوں کو بھی سائینس کی بابت کم علمی اور جاہلیت کا شکار کردیا ہے .

غور کر و کہ سائینس کا معاملہ اب نویں سے انٹر تک کی فزکس و کیمسٹری کی اصولی بحث اور طالبانہ رٹوں تک محدود نہیں رہا ہے ،بلکہ یہ اب جدید سائینسی فلاسفہ اور پس جدیدیت کی تلوار تلے زندگی بسر کر رہی ہے،ہمارے سرکاری ،کالجوں اور کوچنگ سینٹروں کی سائینس کو اصول دین کی طرح بلا اختلاف رٹ کر گھول کر پینے کا عمل نہیں رہا ہے کہ اس پر آمناً و صدقاً لبیک کہ کر کام چلا لیا جائے..

سائنس زیادہ سے زیادہ ایک مسلسل دہرائے جانے والے عملی تجربے کے اظہار کا نام ہے،جسے ایک سائینسدان اپنے علم و تجربے کی حد تک مبنی بر حق جانتا ہے ، اور حق اس مین کتنا کامل ہے اسکا اسے اتا پتا نہیں ہوتا.

کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ : کوئی دوسرا سا ینسدان اسی عمل کو دوسرے طریقے سے سرانجام دیدے اور نتیجہ بھی برامد ہوجائے، تو کیا ان میں سے کسی ایک سائینسدان کو جاہل یا متروک قرار دیدیا جائے گا کس کو فکر کرو ؟طب میں ہم عوام کو مرض کے علاج کے لئے الوپیتھیک سے لیکر ہومیو پیتھک تک اور وید سے لیکر طب یونانی و اسلامی تک اپنے اپنے میلانات،رجحانات،اور عقیدہ کی بیاد پر علاج کراتا دیکھتے رہتے ہیں. اور ممکن ہے کہ کوئی طریقہ دوسرے سے زیادہ زیادہ فایدہ مند ہو تو کوئی نسبتاً کم ہو مگر کیا سرے سے ان میں سے ایک کے سوا دوسرا تجرہ،طریقہ حلقہ اثر یا قوت نہیں رکھتا؟ کیا اسکی کم افادیت کے سبب اسکا علمی پس منظر پسند نا پسند کی بناید پر رد کردیا جائے .

فطرتی تابعدار سرشتی ہدایت نامہ(کوڈنگ):

اب کیا قوانین فطرت کی جو داخلی احکامی و نظمیاتی کوڈنگ خالقِ کاینات نے اس نظامِ فطرت میں سرائیت کرکے نظام میں چلوادی ہے ،جاری و ساری کردی ہے تو کیا اس میں وہ کوئی نئی سرشتی اور فطری تبدیلی لا نہیں سکتا؟، وہ کیا اس انسان سے بھی زیادہ عاجز ہے جو ہر صنعت و حرفت میں ترقی کے لئے اپنی ایجادات و مصنوعات میں صارف کی بدلتی خواہشات کےسبب مسلسل تبدیلی لاتا رہتا ہے اور اس کے ملکیتی ادارے اس میں مسلسل تبدیلی و جدت لانے میں مگن رہتے ہیں،اور کیا ایک ونڈوز کا ایڈیشن مسلسل اپ ڈیٹ ہوتا رہنا اور پرانے ایڈیشن کی جگہ نیا ایڈیشن آنا آسان ہے یا خدا کا اپنی مخلوق کی فطرت میں تبدیلی لانا۔؟

آسٹن کا نظریہ مشہور ہے کہ قانون کیا ہے؟ وہ جو طاقتور کمزور کو حکم دیتا ہے۔اور طاقتور کا سابقہ حکم طاقتور کو اسکے لئے مجبور نہیں کرتا کہ وہ آئیندہ بھی ایک ہی حکم دے،وقت،حالات،زمان و ممکاں کی تبدیلی حکم اور اسکے انطباق میں تبدیلی پیدا کرسکتی ہے۔یہ بات تو ہم مانتے ہیں کہ جدید انفرادی ،جبریتی فلسفے کو جسٹنی گستاخی پسند نہیں آتی مگر دنیا حقیقت میں یہ بھی مان لو کہ میکاولی اور آسٹن سے ہزار قدم آگے بڑھ چکی ہے جس میں بس صرف یہ ہی فرق آیا ہے کہ رنگ و روپ طریقے بدل گئے ہیں۔

رچرڈ ڈاکنز کے لطایف حیلہ:

اب غور کرو خالق کائینات سے بڑا ،عظیم ،کبیر ،رفیع کون خالق ہے؟ کہ کوئی اسکے احکام کو نظر انداز کردے؟ ڈاکنزی فکر کو شاید اپنے آفس اور یونیورسٹی کے اندھے گھڑے ساز نے کبھی بہت دھوکہ دیا تھا ،جو انھونے کائینات کی جگہ گھری ساز کی گھڑی کو زیادہ توجہ دی ،پیچیدہ اور مشکل کی اصطلات میں بسکٹ بھگو بھگو کر کھائے کو محور گفتگو بنا لیا اور لیبارٹری میں کسی مچھر کو تخلیق کرکے گھڑی کے سامنے رکھ کر خالق قرار دیکر اسکی تخریب کرکے اسے غیر خالق قرار دیکر لوگوں کو علمی دھوکہ دیا اور ڈھول بجا دیا کہ ہم نے انسان کو خالق کی غلامی و عبودیت سے علمی طور پر آزاد ہونے کا راستہ دریافت کرلیا ہے۔

مگر کیا یہ لوگ لطایف علمیہ و ملحدیہ تخلیق کرکے یہ امر فراموش کر گئے کہ حقیقت اور خالق کائینات کا وجود ان تمام شور شرابے کے باوجود قدم قدم پر انسان کا سامنا کرتا آرھا ہے اور کرتا رہے گا۔

بایولوجسٹ و طبیب کا فرق اورسائینسی شرایط کا جھوٹا معیار:

آخر خدا کا انکار اور اسکے غیرموجود ہونے ، مجبور اور غیر قادر مطلق ہونے کا تصور کس قدر کی بنیاد پر پیش کیا جارھا ہے،ڈاکنز اور ملحد اگر بیولوجسٹ سے زیادہ طبیب ہوتے تو انکا خدا پر یقین زیادہ ہوتا جاتا اور ایمان میں ہوتا جاتا کیونکہ طبیب روز مریض کو زندگی و موت سے نبرد آزما دیکھتا ہے اور بائیولوجسٹ صرف نظری بحث اور خوردبین کے نیچے جھانکنے کے علاوہ کچھ نہیں کرتا۔

طبیب کو قدم قدم پر خود کی ناکامی اور دعا کی کامیابی اور بیرونی قوت کی مداخلت نظر آتی ہے، جو اسکے اعتقاد پر حاوی ہوتی جاتی ہے اسکے ایمان مین اگر ساحب ایمان ہوتو اضافہ کرتی جاتی ہے۔

سائینس کا مسلسل نظریاتی اور عملی ارتقا ،آلات کار،ذہنی علم و فکر کی تبدیلی زماں و مکان کے ساتھ تبدیلی ،غیر یکسانیت ہی اس امر کا ثبوت ہے کہ سائینس ہر گز آفاقی[46]،معروضی[47] اور معروضیت سے بالاتر و عظیم تر[48] شرایط کی حامل نہیں ہے۔

یہ تو خیر واضح ہے کہ سائینس پہلے مفروضات قایم کرتی ہے اور پھر بعد ازاں اسے ثابت کرتی ہے۔کبھی کوئی تجربہ جلدی کچھ نتیجہ لے آتا ہے اور کبھی صدیاں اس تجربے اور عمل میں لگ جاتی ہیں ۔

سائینس کا وجود زر،وقت،مقام اور صبر پر کھڑ اہے۔جس طرح کے حتمی اور مجرد جبریہ اصول و نتایج کے سائینسدان دعوے دار ہیں وہ صرف ایک مفروضی جاتی تخیل کا نام ہے۔

سائینس کی آفاقی قدر کا دعوی تو خیر مردود ہے،تجربات ،وقت ،حالات،استعداد علمی زر کے سبب قریبی یکساں نہیں ہوتے،اور ہم انکو سابقہ سے نسبتاٍ مشابہ قرار دے سکتے ہیں ،اسی طرح مشاہدہ ایک ہوکر بھی مشاہد پر الگ الگ تاثر قایم کرتا ہے دونوں اسے الگ الگ تناظر میں دیکھتے ہیں۔یہ ایک طویل بحث ہے جسکا یہاں مقام نہیں،ہیوم اور پس جدیدیت کے فلسفے کو دیکھو معاملہ نکھر جائیگا۔

---

[46] **Universal.**

[47] **Objective.**

[48] **Par Supreme Objectivity**.

دعویٰ کون کریگا ؟

اول تو کوئی یہ دعوی کر ہی نہیں سکتا ہے کہ: وہ نظام فطرت کا خدا کی طرح موجد ہے یا پھر جس طرح نبی دین کی وحی لیکر آتا ہے،اور دین اسلام کے اصول و ضوابط اسے بزریعہ وحی سکھائے جاتے ہیں اسے بھی اسی طرح نظام فطرت کا سرشتی و جبلی منصوبہ ،اسکی جزئیات و کلیات سکھائی جاتی ہیں۔یا اسے کارل مارکس،فیور باخ ،ہیوم ،یا ڈاکنز کے وسیلے سے فطرت کا اصلی خاکہ مل گیا ہے۔

اور یا کوئی مسلم ملحد یا نیم ملحد ،مسلم تشکیکی ،یا محدود خدائیت کا حامی و ناصر کہے کہ خدا نے اسے وحی کردی ہے کہ میں جو بنا چکا وہ بنا چکا ،جو جیسا چل رہے وہی ہمیشہ چلے گا،اور خدا نے مجھ سے ایک معاہدہ کیا ہے اور اسکے فلاں فلاں گواہ ہیں جو اس امر کی شہادت دیتے ہں کہ خدا نے خود پر شرک اور کفر کے مرتکب ،اور حقوق العباد کی خلاف ورزی کرنے والے کو غیر معاف کرنے والے اصولوں کی طرح یا پھر فطری اصول کی مانند اس نے یہاں بھی خود پر کچھ اصول مفروض کر لئے ہیں کہ وہ انکی بھی مخالفت نہیں کرسکتا ہے اس نامعقول سے لازماً اسکے اس سائینسی نبوتی دعوے کا ثبوت مانگا جائیگا۔

ملحد سے خدا کے غیر خدا ہونے اور عدم محض ،اور عدم وجود کی شہادت مانگی جائیگی،مقداری اور معیاری نہج کو بروئے کار لائے کی دعوت فکر و عمل دی جائیگی۔

اب جو اسلام کے دایرہ کار کا قایل اور وجود باری تعالی کا معتقد ہے اس سے اسلام کے ہی علمیاتئ ڈھانچے سے دلیل مانگی جائیگی،عدم ثبوت پر خدا کے مجبور ہونے کی فہرست طلب کی جائیگی، دعوی ثبوت مانگا جایگا،ورنا ارتداد میں اسکا سر آڑادیا جایگا۔

اب سوال پھر موجود ہے کہ کس بنیاد پر سب جدید و قدیم فلاسفہ و سائینسدان خدا اور معجزہ کے منکر ہیں۔فلسفہ کے دم پر انکی قدر قایم ہے یا سائینس کے دم پر؟۔ جہاں تک فلسفہ کا معاملہ و تعلق ہے تو جان لو کہ وہ تو خود ایک اصطلاحی منتشر معقولیوں کی علمی بدمعاشی کا نام ہے ،جسے سائینس نے ایک لیبارٹری کے باہر چوکیدار کی طرح کھڑا کردیا ہے،اور اسکے بیشتر مباحث دور ازکار مباحث سے زیادہ کچھ نہیں اور کچھ خشک دماغوں کی ترقی کے لئے جنہیں خودکش رجحانات کا اسیر جانا جاتا ہے ،مالیخولیا یا شیزوفیرینیا کے امراض جنھیں لاحق ہوں انکی تشکیل ذات کے لئے انھیں جامعات میں پڑھایا جاتا ہے تاکہ سائینسی الحاد کے لئے غیر سائینسی لوگوں پر اثر و نفوذ قایم کیا

جاسکے،اصطلاحات اور لاحاصل ،بوجھل نظریات و متضاد فلسفیوں کے افکار کے قصیدے سنا سنا کر لوگوں کو بیوقوف بنایا جاسکے۔

ہر فلسفی ایک دوسرے سے الگ ایک نئی دنیا بنائے بیٹھا ہے ،انکی داخلی و خارجی سوچوں کی تفریق و اختلاف پرت در پرت زندہ چلی آرھی ہے۔اب اس تفریق،خلیج،تضاد کا علاج انھونے انفرادیت،آزادی اور تنوعِ عقیدہ و علم کی بیناد پر کیا کہ:میاں الف آپ بھی ٹھیک ہیں اورمیاں ب آپ بھی صحیح ہیں ،جی آپ سے غلطی ہوئی ہے مگر یہ اختلاف اپکا حق ہے۔

یہ کیسی تہذ یب بو فکر ہے جس میں شر مختلیف ماخذات سے مجتمع ہوکر صرف تنوع علم و فکر [49]

پر ایک وحدت فکر قایم کئےہوئے ہے۔،منفی اور مثبت،متباین و متضاد سب بیک وقت ساتھ ساتھ صحیح ہیں؟۔

ہم غور کرتے ہیں کہ جس قدر پر یہ کسی امر کا صحیح و غلط کہتے ہیں اسکو وہ سائینس کہتے ہیں ،حلانکہ لغوی حساب سے تو سائینس صرف اشیا کے علم کا نام ہے،اب کتنا علم ہے،اسکی کمیت ،کیفیت،حدود،نظری و عملی ہونا الگ بحث کے دایرے میں آتی ہے۔

<u>تضاد سے پر سائینس اور فلسفہ:</u>

آج کل ہر شہ کو سائینس کا نام دے دیا جاتا انفرادیت کا فایدہ عامی و خاصی ہر ایک اٹھا رہا ہے،ظاہراً سائینس کی جامعات میں تین چار درجہ بندیاں کردی گئیں ہیں اور پانچویں کو لسانیات و فنون کے کھاتے میں ڈال دیا گیا ہے جیسے کہ :

۱۔سماجی علوم۔[50]

۲۔ قدرتی و فطی علوم۔[51]

۳۔ طبی و بدنی علوم۔ [52]

---

[49] Diversity of Knowledge ,ideas and opinion.
[50] Social Sciences.
[51] Natural Sciences.

۴۔ پیشہ ورانہ ،صنعتی حرفیت۔[54]۔

خود ان علوم میں سے کون سائینسی علم ہے اور کون نہیں اس پر ذرا علمی و فنی اختلاف دبستانِ فکر میں واقع ہوا ہے۔ اور ہر علم کا طالب علم،اپنے اپنے علم و سند کی چھتری کے نیچے کھڑا ہوکر اپنی مبادیات و اقدارات کی نئی چھتری تخلیق کرکے خوش ہوتا رہتا ہے میں خود جب علم سیاسیات کی جب جامعہ کراچی میں تعلم حاصل کر رہا تھا تو بحث پڑھائی جاتی تھی جامعہ کے سال اول میں کہ :علم سیاسیات سائینس ہے کہ آرٹس ؟۔ دیگر شعبوں میں بھی کچھ ایسی ہی بحثیں تھیں کہ : عمرانی علوم کی ماں کون ہے، ؟سیاست،یا عمرانیات؟ اس میں بحث؟ ،تاریخ کو سماجی علوم میں لانا چاہئے یا نہیں اس پر بحث ،جغرافہ کیا ہے سائینس یا نظری فن ایک اور بحث ،نفسیات کیا حقیقی سائینس ہے یا صرف طریقہ کار ؟ مطلب بحث پر بحث، اور اتفاق مفقود۔

خیر یہ تو ہم کو دس سال بعد تحقیقات کرتے ہوئے پتا چلا کہ بھئی یہاں تو خود وہ اصول جنکی بنیاد پر فلاں فلاں علوم کو سائینسی قرار دیا جارہا ہے اسکی خود اقدار اور معیارات پر سخت تنقید موجود ہے،اور ہمیں جس سائینسی ایمانیات کا درس دیا جارھا ہے اسکا مغرب میں ایک بڑا طاقتورناقد علمی دبستان فکر موجود ہے مگر ہمارا نصاب و استاد اس پر خاموش اور خالی ذہن ۔

<u>سائینس اور ٹیکنالوجی کی تفریق علمی اور الہیاتی حقیقت کی تلاش:</u>

خود حرفت یا ٹیکنالوجی ایک فنی مہارت اور کاریگری کا نام ہے،یہ الگ بات ہے کہ جدید جامعات کے ذریعے مہارت چاہئے میکانیکی ہو یا غیر إیکانیکی یا،پھر برقی نوعیت کی حامل ہو کو بھی سائینس کے دائرہ میں لاکر مشرف بہ سائنس کردیا گیا ہے لیکین جامعات کے باہر بورڈ جب سائینس اور ٹیکنالوجی کے القاب،اور نام واضح کرتے ہیں تو اندازہ ہو جاتا ہے کہ ان میں کافی دوئیت اور اجنبیت واقع ہوئی ہے اور دونوں میں ظاہرا اتحاد و یگانیت ہے مگر اندر سے اکبری و اضغری کی مانند چھتیس کا ٹاکرا ہے۔

مجھے نا سائینس سے دشمنی اور نا ان علوم سے میں انکو خالق کی مخلوقات کے علم کا نام دیتا ہوں انکو مانکر انکے عمل کو انکی تسخیر کا نام دیتا ہوں ،مگر ساتھ یہ بھی کہتا ہوں کہ جیسے آئی فون کا پروڈ کٹ اپنی ایپل کمپنی اور اسٹیو جاب کے وجود سے منکر نہیں ہوسکتے ایسی ہی انسان کو کسی علم و سائیس کے دم پر مطلق علمیت کے دعوے و معیار سے خالق کے وجود اور اسکے اعمال،ارادہ احکمات کا انکار نہیں کرنا چاہئے۔

---

[53] **Medical ,Physical and Biological Sciences.**
[54] **Engineering and Technology.**

میں صرف یہی کہتا ہوں کہ خالق کی تعریف و توضیح کو تبدیل ہوتی سائینس کی روشنی میں نہیں کرنا چاہئے جسکا کل کچھ دعوی ہو اور پرسوں کچھ دعویٰ ہو ،آج کچھ ہو اور کل کچھ اور ہو،جسکے اندر موافق و مخالف آوازیں ،آنا تعمیر و تخریب ہونا اسکے سقم اور غیر حتمی ہونے کی علامت ہوں کے سبب اسے معیار حق و باطل نہیں جانا جاسکتا ہے ۔

دنیا میں ہر شہ براہ راست یا بلواسطہ خالق کی تخلیق کی ہوئی ہے،اسکی مخلوق کی تخلیقات بھی بلواسطہ اسکی ہی ایک طرح کی تخیلقات ہوتی ہیں کیونکہ خالق نے مخلوق میں خلق و تسخیر کی صفت ودیعت کی ہوئی ہے،جو صدیوں سے ارتقا و ترقی و معراج طے کر رہی ہے،مگر یہ واضح رہے کہ انسان جنکو معروضات کے طرز پر دیکھتا ہے وہ انسان سے خارج وجود تو ضرور ہیں مگر خدا کی مخلوقات کے دایرے میں رہتے ہوئے مگر غور کرو کہ خدا کے لئے انکا مقام صرف حادث موضوعی مخلوقات سے زاید کچھ نہیں ہے۔

،ظاہراً یہ لافانی نظر آنے والی کائینات ایک فانی وجود ہے اور اس میں موجود مخلوقات بھی فانی ہیں،جو شہ ہمیں محیط،بسیط،اور لامحدود دکھتی ہے وہ میرے تمہارے لیے لامحدود ہے ،مگر خالق کے لئے محدود ہے۔

<u>حسابیات کی حدود خدائی مخلوقات تک مقید ہے یا مفروضات پر مبنی اضافیت پر ؟</u>

جس طرح حسابیات کے اعداد صرف ظاہر اشیا کے گننے،ناپنے اور تولنے کے لئے ہیں اور ہر نیا وجود ایک نیا عدد بڑھاتا ہے تو ہر موت ایک وجود گھٹاتی ہے ،اسی طرح ایک توازن کسی کو معتدل رکھتا ،انسان نے ان حسابی امور کو جلد سرانجام دینے کے لئے کلیات قایم کئے ہوئے ہیں مگر کیا یہ کلیات مخلوقات سے خارج کچھ وجود بلذات قایم رکھ سکتے ہیں تو یقین جانو انسان اور ہر ذی النفس کی شماریات سے خارج صرف واحد ہی موجود ہے ،اور اس نے اپنی مثل کوی دوسرا واحد تخلیق نہیں کیا ہے،اور نا ہی شریک کیا ہے۔

جبھی انسان کی دماغی استعداد جن علوم پر کھڑی ہے وہ اضافی نوعیت کی عقل پر دارومدار کرتے ہیں وہ خود تغیر کے سبب زمانی و مکانی،علمیت و معیار کے سبب آئین اسٹاین،فاین مین ہاکنگ سے کروڑ درجہ بلند جینیس پیدا کرکے بھی خدا کے وجود اور عدم وجود پر تخیل سازی ،فکر سازی سے زاید کچھ نہیں کر سکتے ہیں اور نا غزالیؒ جیسے صوفی اس امر میں اس پر اعتقاد سے زاید کچھ کرسکتے ہیں،کیونکہ نا غزالیؒ کی طرح صوفی بنکر داخلی تجربیت و تصوف پر قیاس کرکے نبوت کے وجود و مزے و لذت پر کچھ کہا جاسکتا ہے یا اضافہ ممکن ہے اور نا ہاکنگ کی طرح ڈیزاین پر تعجب کیا

جاسکتا ہے،ڈیزاین کی تو صرف عظمت ہی مانی جاسکتی ہے،تسلیم کی جاسکتی ہے ،ڈیزاین کا رد اس سے عظیم ڈیزاین کو سامنے رکھ کر ہی ممکن ہے جو ناممکن ہے کہ پیش کردی جائے ۔

<u>ایمان لا و یہی بہتر ہے:</u>

اس امر میں صرف نبوت کے پیغام اعلی اور انکی تعلیمات پر ایمان لایا جاسکتا ہے،ان پر لبیک کہا جاسکتا ہے،اور یہی سکونِ قلب کی کلید ہے ۔

خدا کی بابت ایمان لانا سائینس اور فلسفہ سے ثبوت طلب کرکے ایمان لانے کی طرح کا عمل نہیں کیونکہ یہ دونوں علوم موافق اثبات تو ہو سکتے ہیں ،اسی میں انکی وجودی بھلائی ہے، مگر انکار انکی حدود سے خارج امر ہے ،جبھی لاکھوں متضاد نظریوں کی وادیوں ،کروڑوں ٹیوبوں،پیندوں،عناصروں کی بوتلوں،کیمیائی تناسبوں کی بحث ،خلیوں کی دنیا کی متنوع متضاد،متباین قدروں ،نظریوں کی جگہ تمام نبیوں کے ایک واحد خدا ہونے کے پیغام پر غور و فکر کیا جائے تو عمدہ ہوگا۔

کانٹ [54]کو بھی یہ امر قبول تھا کہ خدا کے وجود کے اور عدم وجود دونوں کے ہی دلایل قابل تنقید ہیں ،ان میں علمی سقم موجود ہیں،جبھی خدا چونکہ ذاتی تجربہ سے باہر ہونے کے باوجود اخلاقی اعتقادی طوراب عقل سے باہر ہونے کے سبب ایمانیات کے دایرہ میں آتا ہے،جبھی اس پر ایمان لانا ہی عمدہ و بہتر ہے ،کیونکہ خدا انسانی عقل کی حدود علیمت سے ماورا ہے اسے کی پہنچ سے دور ہے اور پہنچ سے خارج پر ایمان لانا آسان دلایل دریافت کرنا مشکل ہے۔

شریعت کے مطابق جو خدا کو بلا دیکھے ایمان لاتے ہیں انکا درجہ دیکھنے کے مطالبے والوں سے اربوں گنا زیادہ ہے۔

عقل سلیم نظام کائینات سے خدا کو جان سکتی ہے اور پہچان سکتی ہے ،اب اگر اسے تم سوال اٹھا کر،اعتراض کرکے،،منطق و فلسفے سے ڈھونڈھو گے تو ناکام اور ناقابل عبور دشت و صحرا میں پھنس کر رہ جاوگے،تمہاری دماغی حالت گوئٹے کے فاوسٹے جیسی نا ہوجائے۔

<u>سلف و صالحین کا سوال پیدا کرنے اور سوال کرنے کو نا پسند کرنا:</u>

سلف نےکبھی سوال کو ایمان کے مقابل اٹھانا پسند نہیں کیا،اکثر سوال خواہش نفس پر استوار ہوتے ہیں ،مسول کو اپنی معلومات میں اضافہ کم ہی مطلوب ہوتا ہے ۔اور اسے

---

[54] **See: critique of pure reason and critique of practical reason for further enhanced discourse.**

خصم جانکر اس پر اپنا دبدبہ طاہر کرنا چاہتا ہے۔اپنی علمی آگاہی کا مظاہرہ کرنا چاہتا ہے۔ایسے رجحانات اندرونی و داخلی ابلیسیت کی علمی عکاسی کرتے ہیں۔

ممکن ہے کہ ہم بلا شبہ ایک ملحد سے اس سبب صحیح نبرد آزما نا ہوں پاتے ہوں کہ وہ الگ علوم و فکر سے اپنے علمی دایرے سے خارج بحث میں کود کر علمیاتی مداخلت و جھالت سازی کا مرتکب پایا جاتا ہو مگر جو اسلامی اصول فروع کو مانکر،اسلامی نکاح ،وطلاق،وراثت ناموں،معاشرت،تجہیز و تکفین سے لطف اندوز ہوکر بھی اسلامی ایمانیات پر سوال اٹھائے ہوں تو وہ درحقیقت نظامیاتی غداری کے مرتکب قرار پاتے ہیں ،اور انکا انجام الحاد پر جاکر منتج ہوتا ہے مگر انکا آخر تک مطالبہ یہی رہتا ہے کہ وہ مسلمان ہیں اور ،اسی کا نام زندیقیت ہے۔

<u>ہیومی تشکیکیت جدیدیت و نیچر:</u>

ہیوم جیسے تشکیکی نے جہاں ایک طرف خدا پر اعتراض کئے وہاں ہم دیکھتے ہیں کہ سائینسی شرایطِ علمی میں سے معروضیت کا بھی انکار کردیا،اس نے علت و معلول سے متعلق بحث پر کئی بھاری اعتراضات وارد کر دیئے اسی ہیوم کا موجودہ ساینسی فکر و جدیدیت پر بڑا گہرا اثر سب نے مانا ہے۔جبھی سرسید کی معجزاتی منکریت جن علتوں پر کھڑی ہے وہ خود ان سے قبل حملوں کا شکار تھی ،یہ الگ بات ہے کہ انھونے اسکو صحیح طرح ڈھونڈھنے جاننے کی کوشش ہی نہیں کی۔انکی کتب میں فلسفہ کے بڑے جدید ناموں کی جگہ پادریوں و ملحدوں کے اعتراضات زیادہ نمایاں تھے،فنڈلے ،ٹسدل،یا ڈارون کی گونج ان پر زیادہ نمایاں تھی،امریکی فلسفہ سے وہ ناواقف لگتے تھے۔ ہماس پر غور کرتے ہیں کہ ہیوم کا صاف کہنا تھا کہ خارج میں معروضیت کی تلاش ایک دھوکہ ہے سراب ہے،دجل ہے،اور فریب دہی کا نام ہے ۔

اب غور کر و تم لوگ کہ : چند کلیوں سے کل عالم پر استدلال خود علمی طور پر محل نطر عمل ہے، ہر ایک تجربہ یا مشاہدہ کا اپنے دایرہ علمی سے نکل دوسرے دایرے میں دخول و مداخلت غیر علمی حرکت ہے،علت و معلول میں بھی اثتثنا کا اصول کارفرما رہتا ہے۔اور یہ استثنات انکی تقدیر میں اول روز سے پوشیدہ رہتے ہیں جنہیں ایک خاص زمانے میں خاص فرد کے ہاتھوں ،خاص وقتوں میں نمودار ہونا ہوتا ہے۔سمجھیں یہ ایک خفیہ خانے میں مقید معجزاتی اظہارئے ہوتے ہیں اور کسی کے حکم و موقع کے منتظر ہوتے ہیں جب کن فیکون کہی جاتی ہے۔تو انکے مظاہرات نمودار ہونے لگتے ہیں۔

قبل تجربی[55] کمیت و کیفیت اور مابعد تجربی[56] کمیت و کیفیت نے بھی بڑے بڑوں کو پریشان کیے رکھا :کہا جاتا ہے کہ تجربہ ہمیشہ مابعد تجربی نوعیت کا حامل ہوتا ہے،تجربہ کی صداقت اور عدم صداقت ،تلبیس ابلیس کی قسم کے الگ الگ امور ہیں۔

ہیوم دو الگ واقعات کے درمیان منفصل اور ڈھیلا ڈھالا ہونے کے باوجود صرف ربط و تسلسل کا تعلق مانتا ہے۔ایسی کئی باتیں اور ہیوم کی فرو گزاشتیں مولانا عبدالباریؒ نے معجزات کے ضمن میں تعاقب کا نشانہ بنائی ہیں۔یہ تعلق جو ہیوم مانتا ہے وہ کسی امر کے پہلے اور بعد میں ہونے کی تفریق کے سبب علت و معلول ہوتا ہے، علت پہلے آئیگی اور معلول بعد میں مگر اس پر اثر ڈال کر اسے معلول بنا دیگی ،معلول علت سے قبل نہیں آتا اسکی قدرو قیمت علت پر استوار ہوتی ہے وہ،معمول کی مانند ہوتا ہے۔جب کائینات کی علت ہی رب العالمین ہے تو اسکی مخلوقات اسکی معمول معلول ہئی رہتی ہے اور معجزات کی علت فطرت نہیں اللہ ہے ،جبھی انکا وجود غیر ممکنات کے قبیل سے تعلق نہیں رکھتا۔

یہ لازم و ملزوم والا معاملہ بن جاتا ہے۔جبھی نبی کے لئے لازم ہے مذہبی تجربہ سے کہ خدا اسے معجزہ عطا کرے حلانکہ خدا کو نبی مجبور نہیں کرسکتا بلکہ نبی کے سامنے ،مطالبہ ابلیس ہوتا ہے جو اپنے معمول شیطانوں اور قوموں سے کرواتا ہے کہ یہ نبی نہیں ہے ،اگر ہے تو معجزہ دکھاو،ہو لو اسے کہ معجزہ دکھاو تاکہ دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو جائے ۔

غور کرو کہ خدا اس امر کو تقدیر میں مقرر کر چکا ہوتا ہے،اسکی علت خدا کی پیدا کردہ تقدیر میں ڈھونڈھنے کی کوشش آیات قرانیہ اور احادیث صحیحہ متواترہ سے ممکن ہے،غزالیؒ نے بھی المنقذ میں معجزات کے ضمن میں جو بحث کی وہ ہم نے ذکر کی ہے اس استدلال کو مانا ہے۔ اور یہی ایمانیات کے قبیل سے تعلق رکھتی ہے۔

<u>مطالبہ معجزہ کرنے والوں کا معجزہ کے نفس مضمون سے آگاہ ہونا چاہئے نبی اور مطالبہ کار کی نگاہ میں معجزہ نفس مضمون کی رو سے واضح ہو:</u>

معجزہ اگر چہ حیران کن ہوتا ہہے مگر اسکی اصل فطرت و تخلیق میں پنہاں ہوتی ہے۔اگر انگلیوں سے پانی نکلا تو جن کے سامنے معجزہ دکھایا انکے ہاں پانی اور اسکا کسی منبع سے نکلنا معروف ہو،یہ نا ہو کہ وہ پانی اور چشمہ نامی کسی خلق سے آگاہ ہی نا ہوں ،ورنا وہ عاجز و حیران کیا ہونگے انھیں جب پانی کا کسی تالاب،چشمہ ،نہر یا

---

[55] **A-priori**۔
[56] **A-posteriori**.

دریا سے نکلنا ہی معلوم نا ہو،انکے لیئے قبل تجربی کیفیت و حالت کا جاننا و ماننا ضروری ہے ۔

کیونکہ پھر تو انکا مطالبہ معجزہ کا ھی بلا سر و پیر معلوم ہوا، وہ نبی کو پھنسانے کو تفریح کر رہے ہیں اسکا تمسخر اڑا رہے ہیں دعوت قبول کرناسرے سے ہی انھیں مقصود نہیں ہوتا ہے ۔

<u>رب،نبی اور معجزات :ایک بحث:</u>

انبیا کے معجزات اپنے زماں و مکان اور حالات کی شرایط کے حساب سے وقوع پزیر ہونا ناممکنات میں سے تھے،ناکہ نفس مضمون کے سبب نہیں ،کیونکہ معجزہ کی اصل خدا کے پاس مقید ہے ۔ ۔نبی اکرم کے معجزات کا دارومدار اپکی سیرت،صداقت،اعلی شخصیت،کے ساتھ ساتھ مذہبی معقولیت پر استوار ہے۔ کہ جب ہم نے عظیم و کبیر رب العالمین کا وجود مانا ،اسے حئی و قیوم جانا ،رازق و خالق جانا،اسے مالک یوم الدین مانا جانا۔خالق ارض و سما جانا،اور نسبت نبوت اسی کی طرف پلٹے تو انسان تو مطالبہ کے وقوع پذیر ہونے پر شک کرسکتا ہے مگر،نبی کو اس پر شک جبھی ممکن ہے جبکہ اسے اپنے رسول منجانب رب ہونے کا شک ہو،جبھی اگر کوئی مسلمان نبی کے رسول ہونے کو مانے تو ،رسالت کی نسبت سلطان عالمین اللہ رب العالمین کی طرف رجعت کریگی تو حجت یہ پیدا ہوگی اس نے اپنے سفرا کو خصم کے مطالبے پر مضبوط و متعین کرنے کے لیے براہین قاطعہ عطا فرمائیں ۔تو رب کو ماننے کے ساتھ معجزات کا وجود دیگر مخلوقات کی طرح متحقق ہوجاتا ہے۔

رب نام ہی کل مخلوق کو عاجز و کمتر کرنے کا ہے ،اسکا اقتدار اعلی قایم ہی ،مقتدریت پر ہے،عدم شرکیت پر ہے مطلق توحید پر ہے ۔

<u>نبی کا معجزہ دکھانے کے مطالبہ پر صبر کرنا کیوں؟:</u>

مطالبہ معجزہ نبی کا نہیں شیطانوں کا نبی سے تھا،نبی کا تو رب پر اور خود پر عبد رسول ہونے کا اعتقاد مضبوط تھا،وہ بس یہ سوچتے تھے کہ معجزہ انھیں دکھادیا اور اگر پھر بھی نا مانے تو قوم پر تباہی یا عذاب نا نازل ہوجائے۔یہ انکی اپنی قوم سے محبت و انسیت کی علامت تھی،نا کہ میدان رزم چھوڑنے کی کوشش و جستجو۔

آفاقیت پر پس جدیدیت کی تنقید اور فلاسفہ کی نراجیتِ علمی :

سائینس کی دوسری شرط آفاقیت پر پس جدیدیت کے مفکرین و محققین نے بھاری حملے کئےہیں ،چچا آین اسٹاین کو یہ امر قبول تھا کہ سائینس کا کردار صرف کیا ہے تک ہونا چاہئے ناکہ کیا کچھ ہونا چاہئے اسکے نفس مضمون میں شامل ہو میں یہ بات اپنے ایک جونیر صاحب کو بتا رھا تھا کہ فلسفہ کا کردار علت و معلول تک عموماً مقید ہوتا ہے ہے،حکیم کا منصب نہیں کہ بلا مقید سوچے: اور چھلانگ لگا کر مفروض کرے کہ : یہ کیوں ہے ؟،میرا اندازہ ہے اس سبب سے ہے؟ ،شاید یہ سچ ہے یا وہ سچ ہے؟،یہ حق ممکن ہے وہ نہیں تک ہے جیسے سوال تک اکثر چل جاتا ہے ا مگر بحر حال ،اسکا کردار کسی پالیسی ساز ادارے ،قانون ساز ادارے یا نوکر شاہی کے مشیر کی طرح کا نہیں ہےکہ کہے دو کلو اس طرح کا فلسفیانہ قیمہ بنادو ،یا قصاب کو فلاں مشورہ دے دو کیونکہ فلسفہ کا یہ تقاضہ اصل میں فلاسفہ نے اپنی جایز حدود کو پھلانگ کر خود کے ساتھ ساتھ اپنے منصب و مقام کے ساتھ بھی زیادتی کی ہے،فضول سوالات کھڑے کرکے لوگوں کے ایمان خراب کرد دیے ہیں۔

لفظ لوجک کے ساتھ زیادتی اور آین اسٹاین سے فضولیات کا انتساب کرنا:

جب کوئی مجھ سے یہ کہتا ہے کہ لوجک یہ کہتی ہے تو دیوار سے سر ٹکرانے کا جی چاہتا ہے کہ لوجک نے اسکو سوالوں کی کونسی فہرست ماں کی کوکھ سے تھمادی ،کہ اسکے نام پر دن بھر سامنے والے اپنے سوال منطقی چڑیا کے کندھوں پر سوار ہوکر پیش کرتا رہے۔۔

باقی حق و صداقتیں انفرادی بنیاد پر متغیر ہونے کے سبب جدید فلسفے کی حدود میں آوارہ گرد سے زاید کچھ نہیں۔انھیں وجود انسانی کے ماسوا کوئی صداقت دکھایی کہاں دیتی ہے۔جو صادق و حق کو جانیں و پہچانیں؟۔

<u>یہ بار بار اپنے انکل آین اسٹاین کا نام لیتے ہیں حلانکہ :</u>

<u>آین اسٹاین نے تو ریاضی تک کو اضافیتی نقطی نظر سے دیکھا ہے وہ کہتا ہے کہ:</u>

جہاں تک حسابیاتی قوانین کا تعلق ہے تو وہ حقیقی نسبت سے یقینی نہیں اور نا حقیقت پر دلالت کرتے ہیں۔انکی یقینیت کی تفہیم حقیقت سے دور ہے۔[57]

اسی حق و باطل خیر و شر ،صداقت و عدم صداقت ،نیکی و بدی جب سب اضافی نسبتیں اور قدریں ثابت ہوئیں تو اسی طرح جب کوئی حق ہی حقیقی نہیں تو اسکی آفاقیت تو عند المادئین فضول ثابت ہوئی ۔جنکو شوق ہو اپنے خالو آین اسٹاین کا نظریہ اضافیت[58]

دیکھ لیں اسی طرح رچرڈ فاین مین نامی نوبل انعام یافتہ سائینسدان جسے بہت سے اس صدی کا آین اسٹاین کہتے ہیں نے بھی سائینسی آفاقیت پر تنقید کی ہے اور بحث کا محور مرکز بنایا ہے۔[59]

<u>معروضیت سے بالاتر ہونے کی سائینسی شرط کی دھوکے بازی اور سر سیدی فکر کا ابطال :</u>

اسی طرح معروضیت سے ماورا یا بالاتری کا دعوی ہر سائنسدان اور ایم ۔فل پی۔ایچ۔ڈی کا طالب جانتا ہے کہ کوئی سائنوپسِس نظری بیانیہ کے بغیر منظور ہی نہیں ہوتا ، اصول ہے کہ علمیاتی منصوبہ ،نظری طور پر اول جامعہ میں جمع کراو ،منظوری و تحقیق بعد میں کرنا ۔

مشاہدات و تجربات غور کرو کہ ہر جگہ و مقام پر خود مکتفی نہیں ہیں کہ ہر ضمن میں معیار حق و صداقت بن جائیں اس کا ابطال تو خیر نو جدیدیت پسند،لوگوں،پس جدیدیت والوں،فلسفلہ سائینس والوں نے کردیا ہے جن میں سے چامر اور فیرا بینڈ نے اسکا خوب مذاق اُ ڑایا ہے ۔[60]

---

[57] William P.Berlinghoff and Fernando Quadros Gouvea, *Math Though the Ages: A Gentle History of Teachers and Others,* Oxton House Publishers and Mathematical Association of America, 2004, p. 63 — Wesley J. Wildman and W. Mark Richardson, *Religion and Science: History, Method, Dialogue,* UK: Routledge, 1996, p.123.

[58] **Theory of relativity** .

[59] **Feynman,Richard.P.Six Easy pieces: Essentials Of Physics Explained by its Most Brilliant Teacher, Basic Books.Newyork.2011.p:35.**

[60] **Chalmers,A.F.what is This Thing called Science,1988.**

جبھی کوئی مسلم جدیدیت پسند ہو یا مارکسی اصراری ملحد انکی فکری کمزوری کا وجود انکی ہی کوکھ میں پل رہا ہے۔جب تمہاری بنیاد ہی کمزور ہے تو تردید یا اعتراض کیسے معتبر؟

اب آین اسٹاین ہی کو لو خدا کے وجود اور عدم وجود دونوں پر ہی اس کے اقوال ملتے ہیں ،مسلہ یہ ہے کہ آین اسٹاین کائینات میں اگر خاص قسم کی میکانیت و جبریت کے ساتھ اضافیت دیکھتا تو ہایزنبرگ اور اسکے رفقا عدم ربط و تسلسل یا عدم جبریت کے استثنائی تصور کا اعتقاد رکھتے تھے دونوں ہی تصورات حقیقت میں ملحدانہ ہیں مگر پایزنبرگ کے عدم تعین یا عدم تیقن نے کم از کم سرسیدی و غامدیانہ فطرت پسند و جبریت کے پرخچے اُڑا کر رکھ دیے ہیں اور اس سے معجزات کا کچھ دیر کے لئے فطرت کو معطل کرکے نبی کے ہاتھوں ظاہر ہونے کے تصور کی راہ غیر مطمین لوگوں کے لیے نکل آئی ہے۔سرسید کا کسی واقعے کو فطری کہہ کر اسکا انکار کرنا،وقوع پزیر ہونے کا دعوی خود عدم تیقین آمیز کوانٹمی لہروں میں بھہ گیا ہے ،انھونے جس طرح موسی کو عطا کردہ نو نشانیوں،سمندر کے پھٹنے،عصا کے سانپ بننے کا انکار کرکے انھں تخیل یا عام دنوں کے معمولات قرار دیا ہے اس بنیاد پر انھیں مسلمانوں کا سیاسی و علمی زوال بھی فطری مظاہرہ مانکر خاموش رہنا چاہئے تھا ،ناکہ اسباب بغاوت ہند یا تفسیر قران لکھ کر غیر فطری حرکتیں سرانجام دینی چائیے تھیں۔

غور کرو تو معلوم ہوگا کہ آپ ﷺ کے اکثر معجزات جن میں آپ نے تھوڑ ا سا پانی مانگا،اس میں تھوکا تو پانی بڑھ گیا،یا تھوڑے سے پانی میں انگلیاں ڈالیں تو پانی میں اضافہ ہوگیا[61]،کھانا دو آدمی کا تھا تو ،مگر کئی آدمیوں کے لئے برکت ہوگئی[62]،علتوں پر استوار معجزات ہیں،اگر علت کا ناکر بھی ممکن مانا جائے تو خدا ہی علتوں کا ماخذ و منبع ہےاور معجزہ نبی تک اسی کے ذریعے آیا ہے۔۔

میرا قطعا اصرار نہیں کہ یہ تشریح و توضیح خطا سے مبرا اور پتھر پر لکیر ہے،کہنا صرف یہ ہے کہ تم نے کان جہان سے پکڑےہیں اس کان سے یہ سب بھی نکل سکتا ہے جو ہم نے نکالنے کی کوشش کی ہے۔

---

[61] بخاری: ۳۵۷۱۔

[62] مسند ابی یعلیٰ:جلد:اول:صہ:۱۹۹:ح:۲۳۰۔ ۔مسلم :۱۴۲۸۔

<u>کارل پوپر کے نظریہ تردیدیت کا ماجرا:</u>

ذیل کی بحث کچھ چیزوں کی تفہیم کو سمھنے اور نئی فکری بنیادوں اور مباحث کو سمجھنے کے لئے کام آسکتی ہے اسے غور سے دیکھیں اور سائینس اور مابعد از طبیعات کے ضمن میں کارل پوپر کی فکر کے کچھ زاویہ فکر دیکھیں:

پوپر نے سائنس کے متعلق تمام مقبول عام تصورات کو رد کر دیا۔ اس کے نزدیک سائنس کا آغاز نہ تو مشاہدے سے ہوتا ہے اور نہ سائنس کا منہاج استقرائی ہے۔ سائنس اور شاعری کا ماخذ ایک ہی جذبہ ہے اور وہ ہے اس کائنات کو اور اس میں انسان کے مقام کو سمجھنے کی خواہش۔ اس اعتبار سے سائنس اور شاعری دونوں کی جڑیں اساطیر میں پیوست ہیں۔ شاعری کی مانند سائنس بھی انسان کے تخیل اور وجدان کی پیداوار ہے۔ لیکن سائنس کو شاعری اور تنقید کی روشنی میں قابلِ ترمیم و اصلاح ہوتے ہیں۔ البتہ ان کی کامل تصدیق ممکن نہیں ہوتی۔ اگرچہ شاعری پر بھی تنقیدی بحث ہوسکتی ہے لیکن شاعری اور سائنس میں تنقید کا وظیفہ مختلف ہوتا ہے۔ شعری تنقید میں بنیادی قدر جمالیاتی ہے جبکہ سائنسی تنقید کی بنیادی قدر صداقت کی تلاش ہے۔

منطقی اثباتیوں نے سائنس کو مابعد الطبیعیات سے ممیز کرنے کے لئے زبان کا سہارا لیا اور مابعد الطبیعیات کو منطقی بنیادوں پر رد کر دیا۔ اس مقصد کے حصول کی خاطر انہوں نے ایک مخصوص نظریۂ معنی وضع کیا۔ ان کا نظریہ تھا کہ صرف دو قسم کے جملے بامعنی ہوتے ہیں۔ انہیں وہ تحلیلی اور ترکیبی قضایا کا نام دیتے ہیں۔ تحلیلی قضایا منطق اور ریاضی میں استعمال ہوتے ہیں اور وہ اپنی ساخت کے اعتبار سے صدق و کذب کے محتمل ہوتے ہیں۔ مثلاً یہ قضیہ کہ ''کل بارش ہو گی یا کل بارش نہیں ہو گی'' اپنی نحوی ساخت کی بنا پر صادق ہے۔ کوئی ایسی ممکنہ صورتِ حال نہیں ہوسکتی جس میں یہ جملہ کاذب ہو۔ جملے میں بیان کئے گئے دونوں متبادلات میں سے کوئی ایک بھی واقع ہو جائے تو جملہ سچ ثابت ہو جائے گا۔ اس کی صداقت جاننے کے لئے ہمیں کسی تجربے اور مشاہدے کی ضرورت نہیں۔ اس کے برعکس یہ جملہ کہ ''یہ میز سیاہ ہے اور یہ میز سیاہ نہیں ہے'' ہر حال میں کاذب ہوگا کیونکہ یہ متناقض ہے۔ ان دونوں اقسام کے جملے چونکہ اپنی نحوی ساخت کی بناء پر صادق یا کاذب ہوتے ہیں اس لئے وہ ہمیں کائنات کے بارے میں کچھ نہیں بتاتے۔

دوسری قسم ترکیبی جملوں کی ہے جو ہمیں کائنات کے بارے میں کوئی خبر دیتے ہیں۔ مثلاً ''زمین گول ہے'' ''زحل کے نو چاند ہیں'' وغیرہ وغیرہ۔ منطقی اثباتیوں کا کہنا ہے کہ ان جملوں کے صدق و کذب کو جاننے کا معیار حسی تجربہ ہے۔ اگر کوئی حسی تجربہ ان کی تائید کرے گا تو وہ صادق ہوں گے بصورت دیگر کاذب۔ اسے انہوں نے ''اصول تصدیق پذیری'' کا نام دیا۔ ان کے خیال میں وہی جملہ بامعنی ہوگا جس کی تصدیق کرنے ،الا کوئی تجربہ موجود ہو۔ مابعدالطبیعیاتی جملے اس بناء پر بے معنی ہوتے ہیں کہ ان کی تصدیق کسی حسی تجربے سے نہیں کی جا سکتی۔

پوپر کا اصول تصدیق پذیری پر یہ اعتراض تھا کہ یہ نہ تو جامع ہے اور نہ مانع۔ یعنی یہ اصول مابعد الطبیعیات کو رد کرنے میں ناکام ہے بلکہ اس کے نتیجے میں سائنس رد ہو جاتی ہے۔ مابعد الطبیعیاتی جملے لازم نہیں کہ بے معنی ہی ہوں۔ یہ درست ہے کہ بہت سے فلسفیوں بالخصوص ہیگل اور اس کے متبعین کی گفتگو زیادہ تر بے معنی ہے لیکن بے معنی گفتگو کرنا فلسفیوں کا ہی خاصہ نہیں۔ کسی نظریے کے حق میں تصدیقی شواہد تلاش کرنا زیادہ مشکل نہیں۔ ہر نجومی اور دست شناس اپنے نظریات کے حق میں بہت سے تصدیقی شواہد پیش کر سکتا ہے اور کرتا ہے۔ اسی طرح خالص مابعدالطبیعیاتی جملوں کو منطقی اثباتیوں کی طبیعی زبان میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ اس کے برعکس وہ جملے جو قوانین فطرت کو بیان کرتے ہیں ان کی نہ تو مکمل تصدیق ممکن ہوتی ہے اور نہ انہیں حسی مدرکات کی صورت میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ اس مشکل سے بچنے کے لئے منطقی اثباتیوں نے قوانین فطرت کو بیان کرنے والے قضایا کو بے معنی قرار دے کر سائنس کے دائرے سے خارج کر دیا تھا۔ اب اگر قوانین فطرت کو بیان کرنے والے قضایا بے معنی قرار پائیں گے تو پوری کی پوری سائنس ہی بے ہو جائے گی۔

چنانچہ پوپر نے اصول تصدیق پذیری کے مقابلے پر تغلیط پذیری کا اصول پیش کیا۔ اس کے نزدیک معنی کے حوالے سے سائنس اور غیر سائنس میں امتیاز کرنا غلط ہے۔ کیونکہ غیر سائنسی جملے بھی بامعنی ہو سکتے ہیں اور ہوتے ہیں۔ سائنس اور غیر سائنس میں اصل امتیاز یہ ہے کہ سائنسی بیانات کی تغلیط ممکن ہوتی ہے جب کہ مابعد الطبیعیاتی بیانات کی تغلیط ممکن نہیں ہوتی۔ مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ "گلی نمبر بیالیس کا مکان نمبر دس آسیب زدہ ہے" تو وہ اس بات کے حق میں متعدد تصدیقی شواہد پیش کر سکتا ہے لیکن یہ بیان ایسا ہے کہ کوئی ممکنہ تجربہ اس کو غلط ثابت نہیں کر سکتا۔ اب اگر کوئی جملہ کسی حال میں بھی غلط ثابت

نہ ہو سکتا ہو تو وہ جملہ غیر سائنسی ہو گا۔ گویا وہی قضایا سائنس کے دائرے میں ہوں گے جو قابلِ آزمائش ہوں، جنہیں تجربہ کی کسوٹی پر پرکھا جا سکتا ہو۔ تجربہ کا مقصد کسی قضیہ کی تردید کرنا، اسے غلط ثابت کرنا ہوتا ہے۔ سائنس دان جب کوئی نظریہ پیش کرتا ہے تو اسے یہ بتانا پڑے گا کہ وہ کسی قسم کے نتائج کو تردیدی قرار دے گا۔ اگر کوئی ممکنہ تجربہ ایسا نہ ہو جو نظریہ کو غلط ثابت کر سکتا ہو تو وہ نظریہ سائنس کے دائرے سے خارج ہو گا۔ پوپر کے نزدیک وہ تمام نظریات جو اپنے حق میں تصدیقی شواہد تو پیش کرتے ہیں لیکن تردیدی شواہد کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں یا ان کی ایسی توجیہہ کرتے ہیں جو ان کی تائید میں ہو وہ جعلی سائنسی نظریات ہوتے ہیں۔ مارکس کا نظریۂ تاریخ، فرائڈ کا نظریہ تحلیل نفسی اور ایڈلر کا نظریۂ احساس کمتری اس نوع کی جعلی سائنس کی نمایاں مثالیں ہیں۔ سائنس کو غیر سائنس سے ممیّز کرنے والا کوئی خاص منہاج نہیں بلکہ ان نظریات کا قابلِ آزمائش ہونا اور قابلِ تغلیط ہونا ہے۔[63]

[63] پوپر،کارل:فلسفہ سائینس اور تہذیب:باب:کارل پوپر ایک عہد ساز فلسفی:از:ساجد علی:مشعل،لاہور::۱۹۹۷صہ: ۱۵ ـ۱۷ـ

میری اس کل بحث میں اس امر پر توجہ مرکوز رہی کہ مابعد ازطبیعات کو رد کرنے والے الہیات کو رد کرنے والے مذہب کواور وجودِ باری تعالی کا رد کرنے والے جس سائینس اور اسکی شرایط پر اتنا مہتمم بلشان مقدمہ کھڑا کرتے ہیں وہ خود جدید فلسفہ فکر،تحقیقاتِ جدیدیہ و کبیریہ کی رو سے نوک تنقید پر کھڑی ہے جس طرح قرون وسطی میں الہیات میں در آنے والے فضول غیر مذہبی عقاید اور نظریات کو مذہبی مانکر لوگوں سے ان پر ایمان لانا فرض جانا جاتا تھا ،جیسے مسلمانوں میں غیر ثابت شدہ قصص،معجزات اور تاریخوں سے غیر محققانہ بنیادوں پر عوام سے اپیل کرکے علمی بدمعاشی اور دھونس دکھائی جاتی ہے ویسے ہی سائینسی ایمانیات کو زبردستی ایک مادی دین و مذہب بنا کر دلایل دئے جارہے ہیں۔جنکو جدییدیت پسند جدید کہہ کر اپکو علمی طور پر بیوقوف بنا رہے ہیں وہ مغرب میں قدیم و متروک ہوتے جارہے ہیں۔

سائینس میں مذہبی تصورات ،عقاید ۔اصول دین،اور قوانین کی طرح کوئی شہ متفقہ نہیں ہے غور کرو مسلمانوں کے دو بڑے گروہ شیعہ و سنی ان میں سے سنیوں کو دیکھو جو

<u>مسلمانوں میں فنی اصولی اختلاف کم واقع ہوا ہے:</u>

آج ڈیڑھ ارب مسلمانو ں کا ۸۵ فیصد بنتے ہیں چلیں، دور جاکر ،ہم تین کروڑ اسمعیلیوں اور برھانیوں کو ملا کر انھیں ۲۰ کروڑ مان بھی لیں تو اصول میں شیعہ نےصرف عدل اور امامت کا اضافہ کیا ہے سنی عقاید پر ،فروع میں شیعوں کے اکثر مسایل سنیوں کے کسی ایک فرقہ میں مل جاتے ہیں،اسی طرح سنیوں میں سلف کے دور میں دو فرقے تھے اصحاب رائے یا اہلحدیث ،تمام مالکی ،شوافع اور حنبلی اہل حدیث کی قسم میں آتے تھے ،اور احناف اہل رائے میں مگر اس سے قطعاً یہ مراد نا تھی کہ وہ حدیث کے منکر یا اسکو رد کرتے تھے ،ان میں بس فرق یہ تھا کہ کافی حد تک قیاس کا اثر نمایاں تھا حدیث کے ساتھ مقابلتاً جبھی انھیں ،اہل رائے کہا گیا،پھر بتدریج مالکی،بھی اہل مدینہ کی رائے کے کلیہ کے سبب ایک دبستان فقہ بن گئے ۔

شوافع نے حدیث ،فقہ و عقل کو ملا کر نیا دبستان فکر بنادیا،ظواہر اور حنابلہ قران و حدیث پر زیادہ دارومدار کرنے لگے،اہلحدیث محدثین اور انکی نھج پر قایم ہوگئے مگر۔پانچ صدیوں تک کوئی بھی قریباً ٹھیٹ قسم کا مقلد نا تھا،ہر فقہ کے لوگ ایک دوسرے سے علم لیتے ،علم دیتے ،سیکھتے سکھاتے تھے ۔کیونکہ سب کی بنیادی کتب و عقاید معمولی تفریق کسے ساتھ ایک تھیں۔

آج بھی تمام اہل سنت کے اصول ایک ہیں اور فروعی مسایل کے اہم امور میں بس جزئیات کا فرق ہے کلیات کا کم ہے،امام ابن المنذرؒ اور ابن حزم ؒکی کتب الاجماع دیکھو

ان میں اہل سنت کے اجماعی مسایل ملا کر ہزار سے اوپر جا پہنچتے ہیں ،خود ابن منذر نے ۷۵۰ کے قریب اجماعی مسایل بیان کئے ہیں۔

سائینسدانوں اور فلسفیوں کا باہمی اختلاف و نظریاتی تضادِ علمی :جمہوری سرمایہ :

اب ذرا ان سائینسدانوں،اور فلسفیوں اور ریسرچ اسکالروں کو دیکھو ان میں ایک ہی دبستان فکر و مکتبہ میں اختلاف ہی اختلاف ہے ،یعنی انکا کھانا ،کمانا،پڑھانا،سمجھانا کیا ہے اختلاف کرو ،ایک آزاد بشر کا بنیادی حق جو آزادی ہے وہ اختلاف و عدم اتفاق سے طاہر ہوتا ہے۔

بھلے اس سے انتشار پہنچے،اور اگر بدامنی کی صورتحال پیدا ہو تو حکومت کو کارپوریشن اور صنعتی ادارے اشارہ کرتے ہیں کہ انقلاب روکنے کے لئے قانون سازی کرو،ضرورت پڑے تو قانون کا ڈنڈا استعمال کرو۔

انھیں بھیک میں چھوٹی موٹی سبسڈی دیکر،الاونس ،دیکر ورنا چھٹیاں دیکر کر خوش کردو۔یوں معاملات چلتے رہتے ہیں ۔صنعتی ادارے سائینس کو اپنے خواہش زر کے اجتماع و ارتکاز کے لئے استعمال کرتے رہتے ہیں۔

اور جدید جمہوری سرمایہ دارانہ کھیل میں: ہر بیس ،پچیس سالوں میں دولت کروڑوں کے ہاتھ سے نکل کر چند ہاتھوں میں آجاتی ہے ،اور اس بحران سے نمٹنے کے لئے جمہوری رکھیل حکومتیں عالمی مالیاتی اداروں کے ساتھ ملکر اقدامات کرتی ہیں۔

تحقیقات پر تحقیات ہوتی ہیں مگر دولت کی بین الاقوامی منتقلی اور اجمتاع کے سبب کوئی کھل کر ان ہاتھوں پر نا انگلی اٹھا سکتا ہے جنکے پاس عام آدمی کی دولت گئی ہوتی ہے ،اور عالمی بیروزگاری میں اضافہ ہوا ہوتا ہے۔

کیونکہ یہ شخصیات عالمی حکومتوں کے قانون ساز اداروں سے بالاتر ہوتی ہیں۔اور ان کو جہاں مذہب کی طاقت استعمال کروانی ہوتی وہاں اسکو سرمایہ دیتے ہیں اور جہاں سرمایہ و جدیدیت سے مذہب کو گروانا ہوتا ہے وہاں سائینس اور فلسفہ کو عروج دیتے ہیں۔

<u>فیس بکی بھاڑے کے ملحد :</u>

یہ فیس بکی آن لائینی ملحدین انکی آشیرواد کو بلواسطہ یا بلاواسطہ استعمال کر رہے ہوتے ہیں۔اور انکی بڑی تعداد کو ایک ملازم کی طرح یہ ذمہ داری دی جاتی ہے کہ دین پراور اسکی شخصیات پر حملہ کرو،ہم تمہارے پیچھے ہیں۔

جبھی ان شکوک و شبہات کرنے والوں سے بچیں یہ خود تو کما رہے ہیں ،چاہے دولت ہو یا نام مگر آپکی آخرت کو ضرور یہ تباہ کررہے ہیں۔ایک اور امر ملحوظ نظر رکھیں کہ ہر محیر العقل واقعہ معجزہ نہیں ہوتا اور نا کرامت ہے،انبیا کرام کے معجزات کا دارومدار اخباری و آثاری نقطہ نظر سے وحی پر پے جسکی اطلاعات صادق و سچی ہیں۔جبکہ احادیث کے معجزات کا دارومدار متصل،مرفوع صحیح احادیث پر ہے ۔

<u>ہر محیر العقل واقعہ معجزہ و کرامت نہیں ہوتی :</u>

صوفیہ سے وابستہ ۹۹ فیصد کرامتیں صرف قصے کہانیوں سے آگے کچھ نہیں۔معجزات ہوں یا کرامتیں ہم نے انکا علمی نفس مضمون تسلیم کیا ہے،مگرہر ایک بات کو معجزہ یا کرامت گرداننا ثابت نہیں۔

معجزہ ہویا کرامت یہ عطیہ الہی ہے، بلخصوص معجزہ ،نبی بلذات معجزہ کی صفت و اہلیت خود میں پیدا نہیں کرتا اور نا اسکو خود پیدا کرسکتا ہے یہ اللہ ہے جسکے حکم و اجازت سے وہ معجزہ کا کسی خاص وقت،زماں،و مکان میں مظاہرہ کرتا ہے۔

وہ ضروری نہیں کہ ہر روز معجزہ دکھاے یا ایک ہی معجزہ مسلسل دکھائے کیونکہ معمول کا تسلسل عمل ،اور تسلسلِ مشاہدہ کے سبب معجزہ نہیں رہتا۔شق القمر ہو یا صدر یہ ایک دفعہ ہی نبی اکرمﷺ سے ثابت ہے ہاں کچھ آثار شق الصدر کی تعداد کو ایک سے زاید دفعہ بھی ثابت کر دیتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کا سب سے بڑا مسلسل معجزہ قران حمید اور اپکی شخصیت و افکار ہیں ،ان سے بڑا کوئی معجزہ نہیں ،باقی نبی اکرم سے سب سے زیادہ برکت و شفا کے امور ثابت ہیں ۔

دیگر انبیا کے معجزات کے مصادر ہم قران اور احادیث صحیحہ سے دریافت کرتے ہیں،اسرائیلیات سے اخذ میں بڑی اخز و احتیاط کی ضرورت ہے۔

اُ مت کا معجزات پر اجماع:

اس پوری بحث سے یہ امر بھی واضح ہوگیا ہوگا کہ کل امت کا اول روز سے اجماع علیٰ المعجزات ہے،کچھ معتزلہ،زنادقہ،ملحدین،نیچری،اور جدیدیت پسند مسلمین کے علاوہ جو گنتی کے کمزور علمی معیار کے حامل ہیں کے مقابل صحابہ کرام سے آج تک معجزہ ایک اجماعی اتفاقی عقیدہ سے ثابت ہے،جسکی تفصیل میں پیچھے بیان کرچکا ہوں۔

ہایزنبرگ نے اگر چہ میکانیتی جبر کا انکار کردیا،مگر غور کرواہایزنبرگ سے بھی تقدیر کو سمجھنے میں غلطی ہوئی کیونکہ جہاں استثنائی ،داخلی نظامیاتی عدم تناسب،تسلسل اور کجروی مشاہدہ میں آئی وہ اس لئے کہ انکی فطرت میں جبلتی وحی انکو اس میکانیکی انحراف کا حکام صادر کرہی ہوتی ہے۔

جس طرح شہد مکھی کی جبلت پھولوں سے رس سینچ کر شہد کو اپنی کوکھ سے نکال کر شفا بخش عرق انسان کو فراہم کرتا ہے،جس طرح جنسی اختلاط میں مرد و عورت کے میلینی جرثوموں کو اس جبلی کجروی کا حکم ہے کہ جبتک حکم نا ہو ان لاکھوں،کروڑوں جرثوموں میں سے ان دو جرثوموں کو اختلاط نہیں کرنا جنکی تقدیر میں حمل ٹھیرانا مقرر ہو چکا ہے۔کیا تم نے غور نہیں کیا کہ اگر یہ کروڑوں جرثومیں ملاپ کرکے عورت کے حمل میں ایک کے بعد ایک بچہ ٹھراتے رہیں تو دنیا میں آبادی کا اضافہ تو چھوڑوں عورت کا اس ہر نو ماہ بعد یا چھ ماہ بعد حمل میں مصروف رہ کر مرنا کیا صورتحال پیدا کرتا۔

اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ آزاد انحراف خود کسی کے حکم پر قایم ہے اور کسی کے حکم پر عمل کرنے پر موقوف ہے۔

اسی طرح نیل بوہر نے اپنے ایٹمی تجربات میں انحراف کو تسلیم کیا تو آین اسٹاین کو اس سے اختلاف ہوا ،اس کا سے سے قبل لوگوں کا اصرار تھا کہ ایک نظامیاتی قانون جبر ہے جو سب کچھ لگے بندھے ،اتحاد و تناسب سے سرا نجام دئیے جارھا ہے ،ہر شہ مقرر اور نپی تلی کام کر رہی ہے۔بنوق کی گولی اور تیر کی مجال نہیں نشانہ کے ماخذ سے نکل کر انحراف کریں خط مستقیم سے اور کجروی کا تو میاں جی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔١٩٢٠ :ع ،تک ایٹمی دنیا کا اسکے عناصر ترکیبی و جوہروں کا طلسم ٹوٹنے لگا،انکے اندر نہاں بے ترتیبی پر سوال اور اختلاف ابھرنے لگے۔

آین اسٹائین اور نیل بوہر کا اختلاف :

بوہر کے فلسفے کے لحاظ سے معمولی بندوق سے جو گولی نکلتی ہے وہ اپنے ہدف تک پہنچنے میں ٹھیک راستہ اختیار کرتی ہے لیکن الیکٹرون کی بندوق سے جو الیکٹرون نکلتے ہیں وہ اسکرین کے ہدف پر کہیں بھی ٹکرا سکتے ہیں اور آپ کا نشانہ چاہے کتنا بھی بے خطا ہو ٹھیک ہدف پر لگنے کی کوئی یقین دہانی نہیں ہو سکتی ۔

ٹیلی ویژن اسکرین کے پیچھے سے الیکٹرون بندوق سے الیکٹرون نکل کر اسکرین کے کسی بھی مقام لا (x) پر ٹکراتے ہیں لیکن بندوق کو اس نا قابل پیشن گوئی عمل کا سبب قرار نہیں دیا جا سکتا ۔

ایک ایٹم کا انحطاط روشنی کا ذرہ فوٹان پیدا کرتا ہے جس سے دو مخالف سمتوں میں گھومنے والے ذرے پیدا ہوتے ہیں جو متضاد سمتوں میں شاید لمبے فاصلوں تک سفر کرتے ہیں ۔

۱۹۳۰ء میں آئن اسٹائن نے ایک تجربے کا ڈول ڈالا جس کے متعلق آن کا ایقان تھا کہ اس سے قدرتی بھوت کا فریب ظاہر ہو جائے گا اور ہمیشہ کے لیے یہ ثابت ہو جائے گا کہ ہر واقعہ کا ایک واضح اور صریح سبب ہوتا ہے تجربے کی بنا اُس اصول پر تھی کہ جم غفیر کے شائبے آزادانہ طور پر کام نہیں کرتے بلکہ سے مل جل کر کام کرتے ہیں ۔ آئن اسٹائن کا کہنا تھا کہ فرض کیجیے کہ ایک ایٹم یا ذرہ دو ٹکروں میں بٹ جاتا ہے پھر ان ٹکڑوں کو بغیر مزاحمت کے دور فاصلوں تک سفر کرنے دیا جائے تو اس کے بعد بھی کہ یہ ٹکڑے ایک دوسرے سے کافی دور ہوں گے لیکن ہر ٹکڑا اپنے ساتھی کا چھپا لیے ہوتے ہوگا مثلاً اگر ایک ٹکڑا گھڑی کی طرح گھومے گا ۔ تو دوسرا رد عمل کے طور پر مخالف ساعت وار سمت میں گھومے گا ۔

نظریے کی رُو سے شائبہ GHOST کا ہر ٹکڑا ایک سے زیادہ مضمر امکانات کی نمائندگی کرے گا ۔ مثال کو آگے بڑھاتے ہوئے ٹکڑے (الف) کے دو شائبے ہوں گے ۔ ایک ساعت وار گھومے گا اور دوسرا مخالف ساعت وار ۔ یہ جاننے کے لیے کہ کون سا شائبہ اصلی بنے گا ۔ قطعی پیمائش اور مشاہدے کی ضرورت پر مبنی ہے ۔ اسی طرح ذرے کے ٹکڑے (ب) کی بھی نمائندگی دو مخالف سمتوں میں گھومنے والے ذرّوں سے ہوگی ۔ اگر ذرہ (الف) اصلی ساعت وار شائبہ قرار پاتا ہے تو ذرے (ب) کے پاس کوئی اختیار تمیزی نہیں ہے اُسے لازماً مخالف ساعت وار شائبہ کی نمائندگی کرتی ہوگی ۔ دونوں علاحدہ ذروں کو مجبوراً عمل اور ردّ عمل کے قانون کی پابندی کرنی ہوتی ہے ۔

وقت ہی نہیں ہوتا۔ آئن اسٹائن کا اصرار تھا کہ ذروں کا ساعت وار یا مخالف ساعت وار گھومنا قول محال PARADOX ہے۔ الّا اس کے کہ ذروں کا حقیقی وجود ہو۔ اُس لمحے میں جب وہ علاحدہ ہوتے ہیں تو دور ہوتے ہوئے بھی اپنا چکر SPIN برقرار رکھتے ہیں۔ دونوں علاحدہ ذروں کو عمل اور ردّعمل کے قانون کے تحت اتحاد باہمی رکھنا ضروری ہے۔



ایک ذرہ گھڑی کی طرح ساعت وار گھوم رہا ہے تو دوسرا ردِّعمل کے تحت غیر ساعت وار گھومتا ہے ۔

نقشہ

ایک ایٹم یا تحت ایٹمی ذرے کے انحطاط سے دو مخالف سمتوں میں گھومتے ہوئے ذرے پیدا ہوتے ہیں (یعنی روشنی کے فوٹان)، یہ مخالف سمتوں میں سفر کرتے ہیں۔ اور شاید دور کے فاصلوں تک۔

آئن اسٹائن کے اعتراض کے جواب میں 'بوہر' نے کہا کہ آئن اسٹائن نے اپنے استدلال میں یہ فرض کیا ہے کہ دونوں ذرے آزادانہ طور پر اصلی ہیں۔ کیوں کہ وہ ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر ہیں۔ بوہر کا ادّعا یہ تھا کہ دنیا کو علاحدہ علاحدہ ٹکڑوں کا مجموعہ فرض کرنا ممکن نہیں ہے۔

جب تک واقعی پیمائش نہ کی جائے تو ذرے (الف) اور (ب) کو ایک واحد کلیت TOTALITY سمجھنا چاہئے چاہے وہ کتنے ہی دور ہوں یہ فی الحقیقت کلیت HOLISM کا ادراک ہے۔

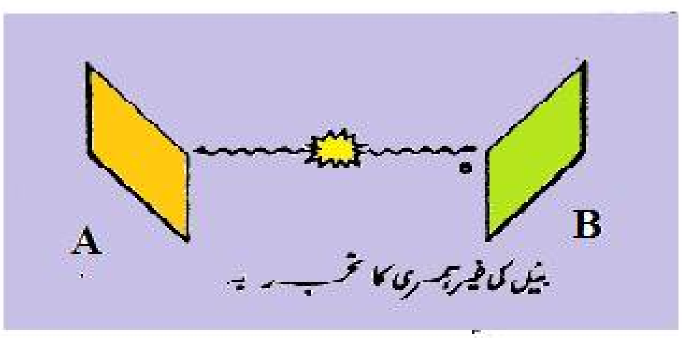
آئن اسٹائن کے مبارزت کے اصلی جواب کو جنگ کے بعد کی مزید تحقیقات اور دہائیوں تک انتظار کرنا پڑا۔

۱۹۶۰ء میں طبیعیات داں جان بیل نے آئن اسٹائن کے خیالات سے

متعلق ایک نہایت غیر معمولی اور ممتاز مفروضے کو ثابت کیا۔ اُنھوں نے بتایا کہ عام طور پر علاحدہ نظاموں میں تعاون ایک خاص قطعی انتہائی حد سے زیادہ نہیں ہو سکتا اور یہ اس وقت جب آئن اسٹائن کے ہم خیال ہو کر مشاہدے سے پہلے یہ فرض کریں کہ ذرّوں کا حقیقی وجود ہے۔ قدری نظریہ کی پیش گوئی ہے کہ تعاون اس حد سے بھی زیادہ ہو سکتا ہے۔ ان دو متضاد خیالات کے لیے جس تشریح کی ضرورت تھی وہ یہ کہ تجربے سے ثبوت فراہم کیا جائے۔

تکنیک کی ترقی نے بیل کے مفروضے کو تجربے سے ثابت کرنے کے قابل بنایا۔ کئی تجربے کیے گئے لیکن سب سے بہتر تجربہ ۱۹۸۲ء میں پیرس یونی ورسٹی میں ایلین ایس پیکٹ نے انجام دیا تحت ایٹمی ذروں کے طور پر اُنھوں نے روشنی کے دو فوٹان استعمال کیے جو ایٹم سے وقتِ واحد میں خارج ہوئے۔ اُن فوٹان کے راستے میں ایک تقطیبی مادہ POLARIZING MATERIAL رکھا گیا۔ وہ فوٹان جن کا موجی ارتعاش تقطیبی مادے کے محور کے ساتھ صف بند نہیں تھا وہ چھٹ گئے۔ اس طرح صرف وہ فوٹان جو تقطیبی مادے کے ساتھ صحیح تعیّنِ سمت رکھتے تھے وہ چھَن کر نکلے۔

فوٹان (الف) اور فوٹان (ب) باہمی تعاون کرتے ہیں اس لیے کہ اُن کی تقلیب مجبور کرتی ہے کہ عمل اور ردِ عمل کے قانون کے تحت متوازی رہیں۔ اگر فوٹان 'الف' کو رکاوٹ ہوئی تو فوٹان (ب) کو بھی رکاوٹ ہوگی۔



بیل کی غیر ہمسری کا تجربہ

بیل کی غیر ہمسری کا تجربہ۔ اگر تقلیب ترچھی ہو تو (الف) اور (ب) کے درمیان تعاون گھٹ جاتا ہے۔ کبھی الف گزر جاتا ہے لیکن (ب) رُک جاتا ہے تاہم مابقی تعاون باقی رہتا ہے بلکہ اُس سے زیادہ کہ جس کی تفہیم اس نظریے سے ہوتی ہے جس کا ادّعا ہے کہ (i) بیرونی دنیا کی آزاد اصلیت یا حقیقت اور (ii) دور فاصلوں کے دو فوٹان کے درمیان وقت کی کوئی مخفی معکوس خبر رسانی نہیں پھر تجربے کا کیا نتیجہ رہا۔

یہ کہ بوہر کی جیت ہوئی اور آئن اسٹائن ہار گئے۔

اس تجربے کے علاوہ دوسرے تجربوں سے بھی ثابت ہوا کہ ایٹموں کی خورد بینی دنیا میں غیر یقینیت فطری ہے۔

تجربوں کی بنا پر اس کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ واقعہ بغیر سبب کے سرزد ہو سکتا ہے۔ شائبہ یا ذروں کے بھوت GHOST کا وجود ہے، صرف مشاہدے سے اصلیت ظاہر ہوتی ہے۔

<u>ہایزنبرگ کا اصول عدم تیقن:</u>

۱۹۲۰ء میں ہائی سن برگ، اِردِن شرودِ ڈنگر اور پال ڈیراک نے ایک نیا نظریہ پیش کیا جو غیر یقینیت کے نظریے کی بنا پر قدری میکانیات کا نظریہ کہلاتا ہے۔ اس نظریے کی رو سے ذروں کا کوئی علاحدہ مقررہ مخصوص مقام ہے اور نہ وقت واحد میں ذرے کا مقام اور اُس کی رفتار معلوم کی جا سکتی ہے اس طرح ایک قدری صورتِ حال ہے جو مقام اور رفتار کا مجموعہ ہے۔

قدری میکانیات سائنس میں، ایک ناقابلِ گریز اور ناقابل پیش گوئی یا علی الحساب عنصرِ داخل کرتی ہے۔ آئن اسٹائن نے اس کی زبردست مخالفت کی حالاں کہ نظریہ کی تکمیل میں اُن کا بھی اہم حصّہ تھا اور ان کو نوبل انعام قدری نظریے کے انکشافات اور دریافتوں پر دیا گیا۔ آئن اسٹائن نے اس مفروضے کو کبھی قبول نہیں کیا کہ کائنات اتفاقات کی بنا پر کام کرتی ہے اُن کا مشہور مقولہ اُن کے خیالات کا آئینہ دار ہے کہ "خدا جوا نہیں کھیلتا" لیکن دوسرے طبیعیات دانوں نے قدری میکانیات کو قبول کر لیا۔[64]

---

[64] محمود علی، ڈاکٹر۔ فلسفہ سائینس اور کائینات۔قومی کونسل برائے فروغ اوردو زبان ،دھلی:۱۹۹۳:صہ:۲۲۶۔۲۱۶، ۲۳۰۔

ہمیں نیوٹن سے لیکر ہائیزنبرگ کسی کی فکر و افکار سے اعتقادی و نتایجی خاص لینا دینا نہیں ہے مگر اٹل،حتمی،سائینس،فطرت یا نیچریت کی اصطلاحات سے پیدا ہونے والے تصور اور ان سے پنپنے والی مشرقی غلامانہ نیچری،ملحدانہ سرسیدی فکر کا ابطال کرنا مطلوب ہے۔حیران کن بات تو یہ ہے کہ انھیں جب اسلام کے دایرہ اکار میں رہتے ہوئے ،خدا جیسا تیسا قبول تھا،تو خدا کی تعریف ،توضیح اسکے قوت،اقتدار ومطلقیت اور کاروبار قدرت بھی معلوم تھی،جایز شرعی معقالی اجماعی معاملات پر تو ایمان رکھنا چاہئے تھا،مگر ذہنی غلامی،کجروی اور الحادی جبلت کے سبب ایسا ہونہیں سکا۔

انکا یہ کمزور قسم خودساختہ بلا قدرت ،ہاتھ پر ہاتھ رکھتا خدا کیوں بھایا اس رسمی تعلق کو بھی قطع کر دیتے تو عمدہ ہوتا۔

مسلمانوں کی زوالی حالت کیا صرف سائینس کی دیوی کی اہل مغرب پر مہربانی کی جگہ وہ مسلمانوں کو انسان جانکر،کمزوری کا پتلا جانکر،انکی اخلاقی،سیاسی،مالی قوتوں پر توجہ دیتے،انکو دین اسلام سے کجروی پر لعن و طعن کرتے تو عمدہ تھا،مگر انھونے عیسائی پادریوں کے درجہ سائینس و فلسفہ کی بحث سے کل دین کا ڈھانچہ ڈھادیا اور ،پاکستنی حکومتوں کے انکی بابت خوش فہمی پر مبنی فکر نے انھیں ملحدین کا امام بنادیا۔

حکومتوں کو قران و جھاد پر تو مغرب کی تعظیم و تعمیل حکم میں بہت فکر ہے نصاب سے اور بد دینی ،کم علمی،متروک علمیت جواس سبب پروان چڑھ رہی ہے اسکو انھونے فراموش کردیا ہے ۔

میرا خیال ہے کہ عقل مند اور ہوشمند حضرات ہماری کم علمی پر مبنی یہ بحث ایک کم علم کی کوشش سمجھ کر بھلے مذاق اڑانے کو صحیح توجہ سے دیکھینگے،مگر بوریت انکو یہاں کم ہی میسر آئے گی ،اگر کسی لب پر ایک تمسخر آمیز مسکراہٹ بھی آجائے تو یہ بحث رایيگاں نہیں گئی ۔

والسلام

ڈاکٹر محمد علی جنید۔

حصه دویم

۴۹	اس صورت کے مختلیف احتمالات.	۴۵
۵۰	نا تو از روئے قران مجید احتمالِ تنویمی ممکن ہے اور نا بلا اجازتِ الہی کوئی نبی یا ولی معجزه یا کرامت دکھا سکتا ہے.	۴۶
۵۱	معجزه پر یقین کرنے کی شرایط .	۴۸
۵۲	ٰب ِ لُّباب .	۵۳

جدید عقل و فلسفہ کی روشنی میں

☆ وجودِ معجزات کے دلائل ☆

☆ نوشتہ مولانا عبدالباری صاحب ندوی، سابق استاد فلسفہ جدیدہ، عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد۔دکن ☆

﴿وَمَا تُغْنِي الْآيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ﴾ (۱۰/ یونس:۱۰۱)

''جو لوگ ایمان نہیں رکھتے ان کے لیے آیات ونذر بے کار ہیں۔''

لیکن

در دل ہر کس کہ دانش را مزہ است روئے و آواز پیمبر معجزہ است (عارف روم)

متکلمین وحکمائے اسلام نے عقلی حیثیت سے معجزہ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ گزشتہ مباحث میں نظر سے گزر چکا ہے۔ ''سیرت'' کے اس حصہ کو اصلاً معجزات نبوی کی نقلی اور روایاتی تحقیق سے تعلق تھا، تاہم ضمناً قدیم کلامی مباحث بھی ایک حد تک آ گئے ہیں، ذیل میں اس موضوع پر صرف عقلائے مغرب کی ترجمانی کرنی ہے اور جدید تحقیقات وخیالات کی روشنی میں جو نتائج نکلتے ہیں، ان کو پیش کرنا ہے۔

آغاز کتاب میں نبوت اور معجزہ کے مفہوم کی نسبت جو کچھ لکھا گیا ہے، سب سے پہلے اس پر ایک نظر اور ڈال لو۔

مفہوم نبوت

جس طرح رات کی تاریکی کے بعد دن کی روشنی کا آنا قانونِ قدرت ہے، اسی طرح یہ بھی ایک سنت الٰہی ہے کہ جب عالم انسانیت پر ضلالت وگمراہی کی تاریکی چھا جاتی ہے تو اس کے مطلع سے ہدایت وراہنمائی کا نور طلوع کرتا ہے اور اگرچہ جس طرح ظلمت شب میں چھوٹے بڑے ستارے اپنی جھلملاہٹ سے کچھ نہ کچھ روشنی پیدا کرتے رہتے ہیں، اسی طرح عام مصلحین ومجددین کا سلسلہ بھی کسی نہ کسی حد تک ضلالت انسانی کی سیاہی کو کم کرتا رہتا ہے، تاہم آفتاب کی ضیا پاشی کا عالم ہی کچھ اور ہوتا ہے، اس کے سامنے ستاروں کی جھلملاہٹ بالکل ماند پڑ جاتی ہے اور کرۂ ارض دفعتہً بقعۂ نور بن جاتا ہے۔

سلسلۂ مصلحین کے اسی آفتاب ہدایت کے نام ادیان وشرائع کی اصطلاح میں نبی پیغمبر یا رسول ہے، عام مصلحین کے ہاتھ میں صرف انسانی عقل وبصیرت کی مشعل ہوتی ہے لیکن مشکوٰۃ نبوت سے جو نورِ ہدایت اُبلتا ہے اس کا سرچشمہ وہ ''نور السموات والارض'' ہوتا ہے، جس سے عام مادی آنکھیں خیرہ ہوتی ہیں، پیغمبر وہ کچھ دیکھتا ہے جو ہم نہیں دیکھتے، وہ کچھ سنتا ہے جو ہم نہیں سنتے، اس کے احوال وکوائف سے ہم ناآشنا اور اس کے عقل وحواس سے بیگانہ ہوتے ہیں، مختصراً یوں سمجھو کہ پیغمبرانہ خصائص کی اصلی روح عالم ناسوت سے ماورا کسی عالم غیب کے ساتھ تعلق وربط ہے، انسان اسی عالم اسرار وغیوب کو اپنی محدود تعبیر میں عالم قدس، عالم روح، عالم مثال وغیرہ سے موسوم کرتا ہے۔

مفہوم معجزہ

حامل رسالت اپنے ابنائے جنس کو جو دعوت دیتا ہے اور دنیا کو جو پیام پہنچاتا ہے، اس کی سچائی کی واضح ترین دلیل یا آیت، اگرچہ خود یہ پیام اور اس کے حامل کا مجسم وجود ہوتا ہے، تاہم بہ اقتضائے" لیطمئن قلبی" یا بلحاظ اتمام حجت اس داعی حق کے تعلق سے کچھ ایسے واقعات ظاہر ہوتے ہیں جو عام حالات میں انسانی دسترس سے باہر نظر آتے ہیں اور ان کی توجیہ و تعلیل سے انسانی عقل اپنے کو درماندہ پاتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ سرد ہوگئی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اژدہا بن گیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام بے باپ کے پیدا ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چشم زدن میں "مسجد حرام" سے لے کر "مسجد اقصیٰ و سدرۃ المنتہیٰ" تک کی سیر کر لی، ان واقعات کی توجیہ سے چونکہ عقل انسانی عاجز ہے، اس لیے ان میں ایک طرح کا غیب نظر آتا ہے اور جس شخص کے تعلق سے ان کا ظہور ہوتا ہے، عالم غیب کے ساتھ اس کے روابط کی نشانی و آیات یا تائید غیبی کا کام دیتے ہیں، قرآن مجید کی زبان میں اس قسم کے واقعات کا نام بینات، براہین یا زیادہ تر آیات (یا آیات بینات) ہے، محدثین ان کو "دلائل نبوت" سے تعبیر کرتے ہیں اور حکما اور متکلمین کی اصطلاح میں انہی کو معجزات کہا جاتا ہے۔

ترتیب مباحث

معجزات کی جو نوعیت ہے اس کے لحاظ سے سب سے پہلی بحث یہ پیدا ہوتی ہے کہ آیا ان کا وقوع ممکن بھی ہے یا نہیں؟ قدما نے علل مخفیہ وغیرہ سے توجیہ معجزات کی جو کوششیں کی ہیں ان کا مدعا حقیقتاً امکان ہی کو ثابت کرنا ہے مگر حکمت و فلسفہ کے دور جدید میں امکان کے ساتھ ایک دوسری زیادہ اہم بحث شہادت کی پیدا ہوگئی ہے، نفس امکان سے تو اب شاید ہی کسی حکیم یا فلسفی کو انکار ہو، البتہ یہ امکان اس قدر بعید الوقوع معلوم ہوتا ہے کہ یقین وقوع کے لیے عام واقعات تاریخی کے درجہ کی شہادت کافی نہیں خیال کی جاتی۔

لیکن چونکہ امکان اور شہادت دونوں کی بحث کا اصلی مرجع معجزانہ واقعات کا قابل یقین و اذعان ہونا یا نہ ہونا ہے، اس لیے امکان و شہادت دونوں سے زیادہ اہم سوال خود یقین کی ماہیت و اسباب کا ہے تعجب ہوتا ہے کہ اس طرح بحث معجزات کے ضمن میں متقدمین و متاخرین میں سے جہاں تک علم ہے کسی کا بھی ذہن نہیں گیا۔ صفحات ذیل میں نہ صرف اس اہم سوال کا مستقلاً جواب دیا گیا ہے بلکہ دراصل یہی جواب معجزہ کے متعلق تمام مباحث کا مقطع اور خاتمہ سخن ہے

بہرکیف اس خاکہ کی بنا پر ترتیب مباحث یہ ہوگی:

① امکان معجزات ② شہادت معجزات ③ استبعاد معجزات

④ یقین معجزات ⑤ غایت معجزات۔

امکان معجزات

یوں تو یورپ میں معجزات پر بیسیوں مستقل کتابیں تصنیف ہو چکی ہیں لیکن سچ یہ ہے کہ اس بحث پر ہیوم [1] نے جو چند اوراق لکھے تھے، وہ سارے طومار پر بھاری ہیں اور گو فلسفیانہ نقطہ نظر سے اس موضوع پر یہ سب سے پہلی تحریر تھی، تاہم وقوع معجزات کے خلاف جو آخری حربہ استعمال کیا جا سکتا ہے، وہ بھی یہی ہے، یہی وجہ ہے کہ ان اوراق پر کم وبیش دو صدیاں گزر جانے پر بھی موافق ومخالف دونوں کے قلم کی روشنائی انہی کے نقوش مٹانے یا اجاگر کرنے میں صرف ہوتی رہی ہے۔

ہیوم کا استدلال

ہیوم کے استدلال کا ماحصل یہ ہے کہ:

① انسان کے علم ویقین کا مدار تمام تر تجربہ پر ہے جس طرح آدمی تجربہ سے یہ جانتا ہے کہ آگ لکڑی کو جلاتی ہے اور پانی سے بجھ جاتی ہے، اسی طرح تجربہ ہی کی بنا پر وہ اس کا بھی یقین رکھتا ہے کہ جب تک دروغ بیانی کا کوئی خاص سبب نہ ہو لوگ علی العموم سچ بولتے ہیں، یعنی جس چیز کی وہ روایت یا تصدیق کرتے ہیں وہ عام طور پر تحقیق کے بعد صحیح ثابت ہوتی ہے۔

② جس نسبت سے کسی امر کے متعلق گزشتہ تجربات کی شہادت قوی یا ضعیف ہوتی ہے، اسی نسبت سے ہمارے دل میں اذعان، شک یا انکار کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور ہونی چاہیے۔

فرض کرو کہ تمہارے محلہ میں ساٹھ ستر برس کی عمر کا ایک بوڑھا فقیر رہتا ہے، جس کو تم بچپن سے دیکھتے ہو کہ چیتھڑے لپیٹے ہوئے بھیک مانگ کر زندگی بسر کرتا ہے، پیری وفاقہ کشی سے ہڈیوں کا صرف ڈھانچہ رہ گیا ہے، کل تک تم نے اس کو اسی حال میں دیکھا تھا، آج تمہارا ایک پڑوسی آ کر کہتا ہے کہ وہ بیچارہ بڈھا فقیر رات کو مر گیا۔ تم کو اس کے بیان کے باور کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوتا لیکن یہی پڑوسی اگر یہ بیان کرے کہ میں نے اس فقیر کو نہایت قیمتی لباس میں اعلیٰ درجہ کی موٹر پر سوار واہٹ وے کی دوکان پر کچھ چیزیں خریدتے دیکھا تو تم کو سخت اچنبھا ہوگا اور اگر پڑوسی کی صداقت کا غیر معمولی طور پر تم کو اعتبار نہیں ہے یا اور بہت سے معتبر لوگ اس کی تصدیق نہیں کرتے تو اس بیان کے قبول کرنے میں تم بہت زیادہ پس وپیش کرو گے۔ تیسری صورت یہ فرض کرو کہ اس پڑوسی نے یہ بیان کیا کہ "میں نے اس پیر فرتوت، پوست واستخوان فقیر کو آج دیکھا کہ بیس پچیس برس کا جوان رعنا ہے" اب تم اپنے پڑوسی کو یا تو محض لاغی سمجھو گے یا یہ خیال کرو گے کہ اس کو کچھ نہ کچھ دھوکا ہوا ہے لیکن اس بیان کی واقعیت کا اذعان ہرگز تمہارے دل میں نہ پیدا ہوگا کیوں؟

صرف اس لیے کہ اس قسم کی مثال انسان کے گزشتہ تجربات میں ایک بھی نہیں ملتی، اسی بنا پر اس کو خلاف

[1] Human under standing "فہم انسانی" باب بحث معجزات۔ اردو ترجمہ از ص ۱۲۴ تا ۱۴۹ مطبع معارف پریس اعظم گڑھ ۱۹۳۸ء

فطرت یا خارق عادت قرار دیا جاتا ہے، جس کو تسلیم کرنے کے بجائے یہ سمجھ لینا کہیں زیادہ قرین قیاس ہے کہ راوی کو دھوکا ہوا یا وہ دانستہ جھوٹ بول رہا ہے کیونکہ سچے سے سچے آدمی کا جھوٹ بول دینا، یا عاقل سے عاقل انسان کا دھوکا کھا جانا بجائے خود ایک نادر الوقوع شے سہی، تاہم عدیم الوقوع نہیں ہے اور خرق عادت کے مقابل میں اس کا وقوع بہت زیادہ ممکن و قابل قبول ہے۔

③ معجزہ اسی ضعف کے عدیم الوقوع یا قانون فطرت کے خارقِ واقعہ سے عبارت ہوتا ہے ورنہ پھر وہ معجزہ نہیں رہتا اس لیے کہ اگر یہ محض نادر الوقوع شے کا نام ہو جس طرح کہ کسی آخری درجہ کے مدقوق کا صحت یاب ہو جانا یا ایک مفلس کا رات بھر میں دولت مند ہو جانا تو یہ ایسے واقعات ہیں جن کی توجیہ کے لیے عام انسانی زندگی میں کچھ نہ کچھ تجربات ملتے ہیں، مثلاً: مفلس کے گھر میں کوئی دفینہ نکل سکتا ہے بخلاف اس کے معجزہ کی حقیقت ہی یہ ہے کہ اس کی تعلیل و توجیہ عام تجربات کی دسترس سے باہر ہو۔ اس لیے معجزہ گویا بذات خود آپ اپنی تردید ہے۔

اس استدلال کو خود ہیوم کے الفاظ میں بھی سن لینا چاہیے:

''معجزہ نام ہے قوانین فطرت کے خرق کا اور چونکہ یہ قوانین مستحکم اور اٹل تجربہ پر مبنی ہوتے ہیں، اس لیے معجزہ خود اپنے خلاف اتنا زبردست ثبوت ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی تجربی ثبوت کا تصور ہی نہیں ہو سکتا، کیا وجہ ہے کہ ہم ان باتوں پر قطعی یقین رکھتے ہیں کہ تمام انسان فانی ہیں، سیسہ آپ ہی آپ ہوا میں معلق نہیں رہ سکتا، آگ لکڑی کو جلاتی ہے اور پانی سے بجھ جاتی ہے، صرف یہی کہ یہ امور قوانین فطرت کے مطابق ثابت ہو چکے ہیں اور اب ان کا توڑنا بغیر قوانین فطرت کے توڑے یا بالفاظ دیگر یوں کہو کہ بلا معجزہ کے ناممکن ہے جو چیز عام قانون فطرت کے اندر واقع ہوتی ہے وہ کبھی معجزہ نہیں خیال کی جاتی، مثلاً: یہ کوئی معجزہ نہ ہوگا کہ ایک آدمی جو دیکھنے میں تندرست و توانا ہے، اچانک مر جائے کیونکہ اس قسم کی موت گو نسبتاً قلیل الوقوع سہی لیکن پھر بھی بارہا مشاہدہ میں آچکی ہے، البتہ یہ معجزہ ہوگا کہ کوئی مردہ زندہ ہو جائے کیونکہ ایسا کبھی کسی ملک میں نہیں دیکھا گیا ہے، لہٰذا جس واقعہ کو معجزہ کہا جاتا ہے اس کے خلاف تجربہ کا مستمر و متواتر ہو جانا ضروری ہے، ورنہ پھر یہ معجزہ کے نام سے نہ موسوم ہوگا اور چونکہ کسی شے کا متواتر تجربہ خود ایک قطعی ثبوت ہے، تو گویا معجزہ کے نفس حقیقت و ماہیت میں اس کے وجود کے خلاف ایک قطعی و براہ راست ثبوت موجود ہے اور ایسا ثبوت جو نہ اس وقت معجزہ کو ثابت ہونے دے سکتا ہے اور نہ خود باطل کیا جا سکتا ہے، جب تک اس کے خلاف اس سے بڑھ کر ثبوت نہ پیدا کیا جائے۔''

''لہٰذا صریح نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جو ایک کلی اصول کی حیثیت رکھتا ہے کہ کوئی تصدیق و شہادت معجزہ کے اثبات کے لیے کافی نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ یہ ایسی نہ ہو جس کی تکذیب خود اس معجزہ سے بڑھ کر معجزہ ہو، جس کو یہ ثابت کرنا چاہتی ہے اور اس صورت میں بھی دلائل میں باہم تصادم ہو گا جو دلیل جتنی زیادہ قوی ہو گی اپنی زائد قوت کے مناسب یقین پیدا کرے گی فرض کرو کہ ایک شخص آ کر مجھ سے کہتا ہے کہ اس نے ایک مردہ کو دیکھا کہ زندہ ہو گیا تو میں ذرا سوچنے لگتا ہوں کہ آیا یہ زیادہ ممکن ہے کہ یہ شخص دھوکا دینا چاہتا ہو یا خود دھوکا کھا گیا ہو یا یہ اغلب ہے کہ جو کچھ وہ بیان کر رہا ہے صحیح ہو میں ان دونوں معجزوں میں موازنہ کرتا ہوں اور جدھر کا پلہ زیادہ جھکتا معلوم ہوتا ہے اسی کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہوں اور ہمیشہ اسی احتمال کو رد کرنا پڑتا ہے جس میں معجزہ پن زیادہ نظر آتا ہے البتہ اگر روایت کی تکذیب واقعہ روایت سے بڑھ کر معجزہ ہو تو اس صورت میں بے شک مجھ کو روایت کے یقین پر مجبور ہو جانا پڑے گا لیکن اس کے بغیر قطعاً ناممکن ہے۔'' [1]

غرض ہیوم کے استدلال اور اس کی تعریف معجزہ کی رو سے اگر ایک طرف ہم اپنی میزان عقل میں کسی خارق عادت واقعہ کی شہادت و روایت کو رکھیں اور دوسری طرف اس کے خلاف دنیا کے ہزار ہا سال کے مستمر و متواتر تجربہ کو تو ظاہر ہے کہ یہ شہادت چاہے کتنی ہی معتبر و وقیع کیوں نہ ہو تا ہم اس متواتر تجربہ کے ہم وزن کسی حال میں نہیں ٹھہر سکتی لہٰذا انسانی شہادت کی کوئی کمیت و کیفیت بھی معجزہ کے یقین و اثبات کے لیے کافی نہیں ہو سکتی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک معجزہ یہ تھا کہ انہوں نے اپنی جان کے دشمن اور اپنے سب سے بڑے منکر فرعون کے گھر میں پرورش پائی، ہیوم سے بڑھ کر معجزہ کا کون دشمن و منکر ہو گا لیکن اس انکار کو جب اس کے پورے فلسفہ کی روشنی میں دیکھو تو نظر آتا ہے کہ قبول معجزات کی راہ میں عقل کی خود فریبی کا جو سب سے زبردست طلسم حائل تھا اس کو ہیوم ہی نے توڑا اور ہمیشہ کے لیے برباد کر دیا ہے جس کے بعد راستہ کے صرف چند کانٹوں کا ہٹانا باقی رہ جاتا ہے۔ چراغ تلے اندھیرا، آدمی بارہا اپنے ہاتھ کی مشعل سے دوسروں کو راستہ دکھلاتا ہے اور خود نہیں دیکھ سکتا۔

انسان کے ذہن میں جس قدر یہ اعتقاد راسخ ہے، شاید ہی کوئی اور ہو کہ کائنات کا ذرہ ذرہ مادی علل و اسباب اور قویٰ و خواص کی زنجیروں سے جکڑا ہوا ہے، چھوٹے سے چھوٹا واقعہ بھی اپنے ظہور کے لیے ایک اٹل اور غیر متغیر علت رکھتا ہے، ہر شے اپنے اندر کوئی نہ کوئی ایسی قوت یا خاصہ رکھتی ہے، جس سے اس وقت تک اس کا انفکاک ناممکن ہے، جب تک یہ خود اپنی ذات و حقیقت سے منفک نہ ہو جائے، یہ ناممکن ہے کہ میرا قلم میز کی ایک جانب سے دوسری جانب کو چلا گیا ہو، بغیر اس کے کہ کسی ہاتھ یا کسی اور مادی شے نے اس کو حرکت دی ہو، اس کاغذ پر جو نقوش تم کو نظر آ رہے ہیں ضروری ہے کہ ان کو کسی نہ کسی قلم نے کھینچا ہے، اسی طرح یہ نہیں ہو سکتا

[1] فہم انسانی، باب معجزات، ص: ۱۳۱ تا ۱۳۳۔

کہ انار کے درخت سے آم کا پھل، یا آم کے درخت سے انار کا پھل پیدا ہو، آم کے درخت سے ہمیشہ آم اور انار کے درخت سے ہمیشہ انار ہی پیدا ہوگا۔

سلسلہ علل و اسباب و قوانین فطرت؟

غور کرو جب تم سے یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ نہ جلاسکی تو تم کو اس کے باور کرنے میں کیوں پس وپیش ہوتا ہے، اس لیے کہ آگ جب تک آگ ہے جلانے کا خاصہ اس سے منفک نہیں ہوسکتا اس کو ابراہیم اور نمرود کی تمیز نہیں، اژدھا ایک جاندار مخلوق ہے جو تولید مثل کے قاعدے سے اپنی ہی جیسی جاندار مخلوق سے وجود میں آتا ہے اس لیے یہ ہماری سمجھ سے باہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا کیونکر اژدھا بن گیا، انسان کا بچہ اپنے والدین کے بندھے ہوئے اور مشترک عمل توالد وتناسل کا نتیجہ ہوتا ہے پھر یہ کیونکر مان لیا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بے باپ کے پیدا ہوئے۔ دس قدم کی مسافت طے کرنے کے لیے بھی آدمی کو اپنے پاؤں یا کسی اور مادی وسیلہ کی احتیاج ہوتی ہے اور جس قدر مسافت زیادہ ہوتی ہے اسی قدر اس کے قطع کرنے میں زیادہ وقت لگتا ہے، لہٰذا یہ کیونکر یقین کیا جائے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا معمولی وسائل مادی کے استعمال کے طرفۃ العین میں ''مسجد حرام'' سے ''مسجد اقصیٰ'' اور ''سدرۃ المنتہیٰ'' تک کی سیر کرلی، زمین وآسمان کی آیات کا مشاہدہ کیا اور تمام انبیائے سابقین سے گفتگو فرمائی، پھر یہ تمام مراحل اتنے وقفہ میں کیونکر طے ہوسکتے ہیں کہ واپسی پر کواڑ کی زنجیر ہل رہی ہو اور بستر کی گرمی ہنوز قائم ہو۔

سلسلۂ علل واسباب اور اشیاء کے افعال وخواص ہی کے اصول وقوانین کا نام حکما اور فلاسفہ کی اصطلاح میں قوانین فطرت ہے، جن کا خرق محال خیال کیا جاتا ہے، مثلاً: کشش ثقل ایک قانون فطرت ہے جس کا یہ اقتضا ہے کہ جب تم ڈھیلے کو اوپر پھینکو گے تو وہ لوٹ کے ہمیشہ نیچے آئے گا فضا میں اس کا معلق رہنا ناممکن ہے، ہائیڈروجن اور آکسیجن دو عناصر کے ایک خاص مقدار میں ملنے کا خاصہ یہ ہے کہ پانی بن جاتا ہے جس کے خلاف کبھی نہیں ہوسکتا۔

قوانینِ فطرت کی حقیقت

اب دیکھو کہ جن چیزوں کو تم قوانین فطرت کا لقب دیتے ہو اور جو بظاہر اس قدر قطعی اور اٹل نظر آتے ہیں، واقعات کی کسوٹی پر ان کی کیا بساط ٹھہرتی ہے؟ اگر کوئی شخص یہ پوچھے کہ نمک نمکین اور شکر میٹھی کیوں ہوتی ہے؟ تو یہ سوال تم کو ایسا ہی مہمل ومضحک معلوم ہوگا، جیسے کوئی یہ سوال کرے کہ جز کل سے چھوٹا کیوں ہوتا ہے؟ جز کی حقیقت ہی یہ ہے کہ کل سے چھوٹا ہو، اسی طرح لوگ سمجھتے ہیں کہ نمکینی اور مٹھاس نمک اور شکر کی حقیقت میں داخل ہیں، لیکن سوچو کہ کیا نمک کی نفس ذات میں تم کو کوئی ایسی شے نظر آتی ہے جن کی بنا پر بلا اس کو چکھے ہوئے تم یہ حکم لگا سکو کہ اس کا مزہ بالضرورت شکر کے مزہ سے مختلف ہونا چاہیے صرف دونوں کے چکھنے اور تجربہ کی بنا پر نمک کو نمکین اور شکر کو شیریں یقین کیا جاتا ہے۔ سنکھیا زہر ہے جس کے کھانے سے آدمی مرجاتا ہے

سنکھیا کا ایک ٹکڑا لے کر اس کو خوب الٹ پلٹ کر دیکھو، اس کی ذات یا حقیقت میں کہیں کوئی ایسی شے محسوس ہوتی ہے جس کی وجہ سے تم بلا تجربہ اس کو موت کی علت قرار دے سکو جس شخص نے سنکھیا کبھی نہیں دیکھی یا اس کے اثر سے ناواقف ہے اس کو تم با آسانی کھلا سکتے ہو کیوں؟ صرف اس لیے کہ اس کو خود سنکھیا کے اندر کوئی ایسی شے نہیں نظر آتی جس سے بلا سابق تجربہ کے وہ اس کے زہر قاتل یا علت موت ہونے کا علم و یقین حاصل کر سکے بیسویں صدی کے سائنس دان کے لیے یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ پانی دو مختلف اجزا یا عناصر سے مرکب ہے لیکن جب تک اس حقیقت کا تجربہ نہیں ہوا تھا، ڈھائی ہزار سال تک حکما اور عقلائے عالم پانی کو ایک مفرد و بسیط عنصر یقین کرتے رہے، حالانکہ پانی کی جو صورت و شکل کاونڈس ❶ کے سامنے تھی وہی طالیس ملطی ❷ کے سامنے بھی تھی، سنکھیا اور شکر کے بجائے اگر ہم کو سمیت اور شیرینی کا تجربہ پتھر کی کنکریوں میں ہوتا تو ہم ان کو اسی طرح مہلک (ہلاکت کی علت) و شیریں یقین کرتے جس طرح آج سنکھیا اور شکر کو کرتے ہیں۔

جان اسٹورٹ مل نے اپنی مشہور کتاب ''نظام منطق'' ❸ میں اس کی نہایت عمدہ مثال دی ہے کہ :

> ''آج سے پچاس سال پہلے وسط افریقہ کے باشندوں کے نزدیک غالباً کوئی واقعہ اس سے زیادہ تجربہ کی قطعیت و یکسانی پر مبنی نہ تھا جتنا یہ کہ تمام انسان کالے ہوتے ہیں، اسی طرح کچھ زیادہ دن نہیں ہوئے کہ اہل یورپ کو اس فطرت کی یکسانی کی ایک بالکل قطعی و غیر مشتبہ مثال سمجھتے تھے کہ تمام ہنس سفید ہوتے ہیں ❹ مزید تجربہ کے بعد افریقہ و یورپ والوں دونوں کو معلوم ہوا کہ یہ خیالات غلط تھے لیکن اس تجربہ کے لیے ان کو پانچ ہزار برس انتظار کرنا پڑا اور اس طویل مدت میں انسانی آبادی کے دو براعظم فطرت کی ایک ایسی یکسانی پر یقین کرتے رہے جس کا حقیقۃً کوئی وجود نہ تھا۔''

کائناتِ فطرت کی وسعت بیکراں کو دیکھتے ہوئے آج بھی نوع انسان کے تجربہ پر مبنی قوانین فطرت کی بساط اس سے زیادہ نہیں ہے، جتنی کہ اس تجربہ کی تھی کہ تمام انسان کالے ہوتے ہیں اور تمام ہنس سفید۔

انیسویں صدی کے ایک مشہور فلسفی ڈاکٹر وارڈ نے اسی حقیقت کو ایک مفروض مثال کے پیرایہ میں اس طرح بیان کیا کہ فرض کرو کہ :

> ''افریقہ کے کسی صحرا میں ایک نہایت عظیم الشان سلسلۂ عمارت ہے جو چاروں طرف ایک چار دیواری سے گھرا ہوا ہے، اس کے اندر ایک خاص ذی عقل مخلوق آباد ہے جو اس احاطہ سے باہر نہیں جا سکتی، یہ عمارت ایک ہزار سے زائد کمروں پر مشتمل ہے جو سب مقفل ہیں اور کنجیوں کا

❶ جس نے پانی کو بسیط عنصر کے بجائے آکسیجن و ہائیڈروجن سے مرکب ثابت کیا۔

❷ یونان کا پہلا فلسفی جو پانی کو مبدء عالم جانتا تھا۔

❸ سسٹم آف لاجک کتاب سوم باب ۳ فصل دوم۔

❹ وسط افریقہ کے آدمی کالے ہوتے ہیں اور یورپ کے ہنس سفید ہوتے ہیں۔

پتہ نہیں کہ کہاں ہیں، بڑی محنت و جستجو کے بعد کل پچیس کنجیاں ملتی ہیں، جن سے اِدھر اُدھر کے پچیس کمرے کھل جاتے ہیں جو سب ہم شکل ہیں لہٰذا کیا اس بنا پر اس احاطہ کے اندر رہنے والوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ قطعیت کے ساتھ یہ دعویٰ کر دیں کہ بقیہ ۹۷۵ کمرے بھی اسی شکل کے ہیں۔ (1)

قوانین فطرت یا خواص اشیاء و علاقۂ تعلیل (علت و معلول) کی مذکورہ بالا حقیقت اگرچہ اب حکمت (سائنس) وفلسفہ دونوں کے مسلمات میں داخل ہے لیکن اس حقیقت کو سب سے پہلے جس شخص نے اجاگر کیا۔ وہ معجزات کا منکر ہیوم ہی تھا، اس لیے خود اسی کی زبان سے سنو کہ جس چیز کو وہ خرق عادت کہہ کر ناممکن قرار دیتا ہے اس کے عدم امکان کا کیا وزن ہے۔

"جب (2) ہم اپنے آس پاس کی خارجی چیزوں پر نظر کرتے ہیں اور مختلف علتوں کے افعال کو غور سے دیکھتے ہیں تو ان میں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی جس کے اندر کسی قوت یا لزوم کا پتہ چلتا ہو، نہ ان کی کوئی ایسی صفت نظر آتی ہے جو معلول کو اس طرح علت سے جکڑے ہوئے ہو کہ ایک کو دوسرے سے مستنبط کرنے میں خطا کا کوئی امکان نہ ہو، ہم کو جو کچھ نظر آتا ہے وہ صرف اتنا ہے کہ ایک واقعہ کا ظہور دوسرے کے بعد ہوتا ہے بلیرڈ کے ایک گیند میں ضرب لگانے سے دوسرے میں حرکت ظاہر ہوتی ہے بس حواس ظاہری سے جو کچھ نظر آتا ہے اس کی بساط اسی قدر ہے اشیاء میں اس تقدم و تاخیر یا تبعیت کے پائے جانے سے ذہن کو نفس تبعیت کے علاوہ کوئی اور احساس یا ارتسام باطنی نہیں حاصل ہوتا۔ کسی شے کو پہلی دفعہ دیکھنے سے ہم کبھی قیاس نہیں کر سکتے کہ اس سے کیا معلول یا نتیجہ ظاہر ہوگا حالانکہ اگر علت کے اندر کسی قوت یا انرجی کا پتہ محض ذہن دوڑانے سے چل سکتا تو بلا کسی سابق تجربہ کے ہم اس نتیجہ و معلول کی پیشین گوئی کر دیتے اور پہلی ہی نظر میں قطعی حکم لگا دیتے۔"

حقیقت امر یہ ہے کہ کائنات مادی کا ایک ذرہ بھی ایسا نہیں ہے جس کی صفات محسوسہ کی بنا پر ہم اس کے اندر کسی قوت کا سراغ لگا سکیں یا قیاس سے بتلا سکیں کہ اس سے کوئی اور دوسری شے ایسی وجود پذیر ہو سکتی ہے جس کو معلول کا لقب دیا جاتا ہے، صلابت، امتداد، حرکت یہ چیزیں بجائے خود مستقل صفات اور ایسے واقعہ کا نشان نہیں دیتیں جس کو ان کا نتیجہ کہا جا سکے موجودات عالم میں ہر آن تغیر و تبدل جاری ہے، ایک چیز دوسری چیز کے بعد برابر آتی جاتی رہتی ہے لیکن وہ قوت و طاقت جو اس ساری مشین کو چلاتی رہتی ہے ہماری آنکھوں سے اوجھل ہے اور اجسام کی کسی محسوس صفت میں اپنا کوئی نشان نہیں رکھتی، ہم یہ واقعہ جانتے ہیں کہ آگ کے شعلہ میں گرمی پائی جاتی ہے لیکن ان دونوں (گرمی و شعلہ) میں کیا لزوم ہے اس کے قیاس سے ہمارا تخیل قطعاً عاجز ہے۔ (3)

اسی سلسلہ میں چند صفحات بعد کی ایک اور طویل عبارت (4) کا یہاں اقتباس مناسب ہے جس سے

(1) مل کی منطق کتاب سوم، باب ۲۱ فصل ۴، حاشیہ۔ (2) فہم انسانی باب ۷ فصل ۱، ص: ۷۰۔
(3) فہم انسانی باب ۱، ۷ فصل ۱۔ (4) ایضاً ص: ۷۷، ۷۸۔

آگے چل کر کام پڑے گا۔

''عام طور پر لوگوں کو فطرت کے پیش پا افتادہ اور مانوس واقعات و افعال کی توجیہ میں کوئی دشواری نہیں نظر آتی (مثلاً: بھاری چیزوں کا نیچے آجانا، درختوں کی بالیدگی، حیوانات میں توالد وتناسل، یا غذا سے جسم کی پرورش وغیرہ کے واقعات) بلکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ان صورتوں میں ان کو علت کی بذات خود اس قوت کا علم واحساس ہے جس کی بنا پر یہ اپنے معلول کو مستلزم ہے اور اس لیے ظہور معلول میں خطا کا امکان نہیں، بات یہ ہے کہ تجربہ یا عادت دراز کی وجہ سے ان کے ذہن میں ایک ایسا میلان ورجحان پیدا ہوجاتا ہے کہ علت کے سامنے آتے ہی اس نتیجہ کا یقین ہوجاتا ہے جو معمولاً اس کے ساتھ پایا گیا ہے اور یہ مشکل سے ممکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کے سوا کوئی اور نتیجہ ظاہر ہوسکتا تھا، صرف اس صورت میں جب کہ غیر معمولی واقعات وحوادث ظاہر ہوتے ہیں، مثلاً: زلزلہ، وبا یا کوئی اور عجیب وغریب بات، تو البتہ ان کی صحیح علت کا پتہ نہیں لگتا اور سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کی توجیہ وتشریح کیسے کی جائے اس مشکل میں پڑ کر لوگ علی العموم کسی ان دیکھی صاحب عقل وارادہ ذات کے قائل ہوجاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ ناقابل توجیہ ناگہانی واقعات اسی ذات کے پیدا کردہ ہیں لیکن فلاسفہ کی باریک بین نگاہ کو نظر آتا ہے کہ روزمرہ کے معمولی واقعات کی پیدا کرنے والی قوت بھی اسی طرح نامعلوم ناقابل توجیہ ہے جس طرح کہ انتہائی سے انتہائی غیر معمولی واقعات کی چنانچہ بہت سے فلاسفہ اپنی عقل کو اس پر مجبور پاتے ہیں کہ بلا استثنا تمام واقعات عالم کا مبدأ اسی ذات کو قرار دیں جس کی طرف عوام صرف معجزات اور فوق الفطرت واقعات وحوادث کے ظہور کو منسوب کرتے ہیں (ان کے نزدیک) ہر معلول کی واقعی وبراہ راست علت فطرت کی کوئی قوت نہیں بلکہ ایک ہستی برتر کا ارادہ ہوتا ہے بلیرڈ کا ایک گیند جب دوسرے گیند سے ٹکراتا ہے تو خود خدا اپنے ارادۂ خاص سے اس کو متحرک کردیتا ہے اور یہ ارادہ ان عام قوانین کے مطابق ہوتا ہے جو اس نے اپنی مشیت سے کائنات پر حکم فرمائی کے لیے مقرر کردیے ہیں۔''

جب یہ مسلم ہو چکا کہ قوانینِ فطرت کی بنیاد تمام تر تجربہ پر ہے اور تجربہ کے ناقابل خطا ہونے کا بھی کسی حالت میں بھی دعویٰ نہیں کیا جاسکتا تو پھر ظاہر ہے کہ کسی شے کو خلافِ فطرت یا خارقِ عادت کہہ کر اس کو غلط یا ناممکن کیسے ثابت کیا جاسکتا ہے، چنانچہ خود ہیوم کا اپنے اسی اصول پر دعویٰ ہے کہ ''جس شے کا تصور ممکن ہے وہ کسی تناقض کو مستلزم نہیں ہوسکتی اور جو شے مستلزمِ تناقض نہ ہو اس کو کسی حجت وبرہان یا عقلی دلیل سے غلط ثابت نہیں کیا جاسکتا۔'' [1]

[1] فہم انسانی، باب ۴، فصل ۱، ص: ۲۶، ۲۷۔

پروفیسر ہکسلے جو فلسفی سے زیادہ حکیم (Scientist) ہے اور جس کی جگہ حکما کی صفِ اول میں ہے اس نے ہیوم کے اس قول کو اپنی تحریروں میں جابجا نقل کرکے اس کی نہایت شدت سے تائید کی ہے۔ خود ہیوم کے نظریہ معجزات پر بحث کرتے ہوئے [1] پہلے تو معجزہ کے متعلق اس کی تعریف کی تغلیط کی ہے کہ ''وہ نام ہے قوانین فطرت کے خرق کا'' اور بتلایا ہے کہ معجزات کے معنی زیادہ سے زیادہ ''انتہائی حیرت انگیز واقعات'' [2] کے ہوسکتے ہیں، پھر اسی ضمن میں ہیوم کے مذکورہ بالا قول کو نقل کرکے لکھا ہے کہ :

''لیکن معجزہ کا تصور کیا جاسکتا ہے کہ یہ کسی تناقض کو مستلزم نہیں ہے، لہٰذا خود ہیوم ہی کے دعویٰ کے مطابق معجزہ کو کسی برہانی دلیل سے غلط نہیں ثابت کیا جاسکتا'' بااین ہمہ ہیوم خود اپنے ہی اصول کے خلاف اور بالکل متناقض ایک دوسری جگہ لکھتا ہے کہ ''مردہ کا زندہ ہوجانا معجزہ ہے کیونکہ ایسا پہلے کبھی کسی زمانہ اور کسی ملک میں نہیں ہوا ہے۔''

اس ارتکاب تناقض کی تشریح کرتے ہوئے پروفیسر موصوف نے طنزاً لکھا ہے کہ اگر ہیوم کے استدلال کی مہلمیت کو برہنہ کرکے دیکھا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ جو چیز پہلے کبھی نہیں واقع ہوئی وہ آئندہ بغیر قوانین فطرت کے خرق کے واقع نہیں ہوسکتی۔''

ہکسلے کا ایک نہایت دلچسپ مضمون ''ممکنات و ناممکنات'' ہے، اس میں بھی ہیوم اس کے پیش نظر ہے اور اپنی حکیمانہ ذمہ داری کے پورے احساس و شعور کے ساتھ لکھتا ہے کہ [3]

''صحیح معنی میں، بجز تناقض کے اور کسی بھی ایسی چیز سے میں واقف نہیں ہوں جس کو ''ناممکن'' کہنا حق بجانب ہو، منطقی ناممکنات کا وجود ہے لیکن طبعی ناممکنات کا قطعاً کوئی وجود نہیں ''مربع مدور، ماضی موجود، دو متوازی خطوط کا تقاطع'' یہ چیزیں ناممکنات سے ہیں، اس لیے کہ مدور موجود یا حاضر اور تقاطع کا تصور ہی مربع ماضی اور متوازی کے تصور کے متناقض ہے، لیکن پانی پر چلنا، یا پانی کو شراب بنا دینا، بچہ کے بے باپ پیدا ہونا، مردہ کو زندہ کردینا، یہ چیزیں مفہوم بالا کی رو سے ناممکنات سے نہیں ہیں۔ ہاں اگر یہ دعویٰ کرسکتے کہ فطرت اشیاء کے متعلق ہمارے علم نے تمام ممکنات کا کامل احاطہ کرلیا ہے تو شاید یہ کہنا بجا ہوتا کہ آدمی کے صفات چونکہ پانی پر چلنے یا ہوا میں اڑنے کے متناقض ہیں اس لیے یہ افعال اس کے لیے ناممکن ہیں لیکن یہ حقیقت روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ علم فطرت کی انتہا تک پہنچنا کیسا؟ ابھی تک ہم اس کی ابتدا اور ابجد سے آگے نہیں بڑھے ہیں بلکہ ہماری قوتیں اس قدر محدود ہیں کہ کبھی بھی ہم ممکنات فطرت کی حد بندی نہیں کرسکتے جو کچھ واقع ہورہا ہے یا ہوچکا ہے، اس کا ہم کو علم ہے باقی جو کچھ واقع ہونے

[1] ہکسلے کی کتاب ''ہیوم'' باب ۷ (متعلق معجزات) [2] انگریزی میں معجزہ کے لیے جو لفظ مستعمل ہے (مرکیل) اس کے لفظی معنی بھی ''حیرت انگیز'' کے ہیں۔ [3] ''ہیوم'' ۸۔۱۹۷۔

والا ہے اس کی نسبت ہم صرف ایک توقع قائم کر سکتے ہیں، جس کی بنیاد کم و بیش گزشتہ تجربہ کے صحیح سمجھنے پر ہے، جس سے ہم کو خیال ہوتا ہے کہ مستقبل ماضی کے مماثل ہوگا۔''

اس میں شک نہیں کہ کچھ دن پہلے بعض گوشوں سے اس قسم کی آوازیں سنائی دیتی تھیں، کہ کائنات کا ہر ذرہ قانون کا پابند ہے اور وہم و بے عقلی انسان کی بدترین دشمن ہے اور عقل و حکمت بہترین دوست ہے لہٰذا ہمارا فرض ہے کہ جہاں کہیں عقیدۂ معجزات کا پتہ چلے اس پر حملہ کریں۔ (1)

لیکن یہ باتیں قریباً چوتھائی صدی قبل کی ہیں، (2) ۱۹۲۷ء کے بعد کوائٹم نظریہ کی بدولت سائنس میں جو بھونچال آیا ہے اس نے سائنس کی دنیا میں بھی اب ایسے بے باکانہ و مدعیانہ فقروں کی گنجائش نہیں چھوڑی، فلسفہ میں تو علت و معلول کے لزوم و وجوب کی بنیادوں کو ہیوم کیا، ہیوم سے صدیوں پہلے امام ابوالحسن اشعری ہی نے کھوکھلا کر دیا تھا، البتہ سائنس کی بنیاد ہی فطرت کی یکسانی یا علیت کے اٹل قانون پر رکھی اور سمجھی جاتی تھی، اس ستم ظریفی کو کیا کہیے کہ خود سائنسی تجربات و اختبارات ہی کی راہ سے یہ اٹل قانون نہ صرف مجروح و متزلزل ہوگیا ہے، بلکہ سر آرتھر ایڈنگٹین جیسے اکابرِ سائنس کے نزدیک اس کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ دینا پڑا ہے، چند سال قبل دنیا کے سائنس کے تازہ ترین معلومات و خیالات پر ''ماڈرن بلیف'' کے نام سے رسائل کا ایک سلسلہ شائع ہوا تھا، اسی کے جستہ جستہ یہ اقتباسات پڑھو:

''کوائٹم نظریہ نے بڑا زبردست انقلاب برپا کر دیا ہے کہ مادی دنیا میں اب تک علل و معلول کے قانون کی فرمانروائی کو اٹل تصور کیا جاتا تھا، سارے طبعی واقعات و حوادث بالکلیہ جبری یا وجوبی قوانین کے تابع یقین کیے جاتے تھے، سلسلۂ علل و معلولات میں کہیں کوئی خلل و رخنہ نہ تھا مگر ۲۷ء میں اس خیال و یقین کو سخت دھکا لگا اور ماہرین طبیعیات نے دیکھا کہ علیت کے وجوب و کلیت کو مادی دنیا سے رخصت کرنا پڑا اور سارے قرائن اسی کے نظر آتے ہیں کہ وجوبی یا قطعی علیت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہوگیا، ابھی بالکل حال تک قانون علیت کو سائنسی تحقیقات کا بالاتفاق بنیادی اصول قرار دیا جاتا تھا لیکن اب اسی اصول کو ترک کر دینے کا سوال پیدا ہوگیا ہے کہ آیا کارخانۂ فطرت میں ہر واقعہ لزوماً کسی ایسے دوسرے واقعہ ہی سے پیدا ہوتا ہے جس کو علیت کہا جاتا ہے؟ یا اس کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ حوادث فطرت کی تہ میں کوئی ایسی شے کارفرما ہے جس کو اختیار یا آزادی ارادہ کہا جاتا ہے۔ ماحصل یہ کہ اس وقت تک طبعی مظاہر کی تحلیل کا نتیجہ یہ برآمد ہوا ہے کہ ہم کو کہیں بھی وجوبی یا جبری قانون کی موجودگی کی شہادت نہیں ملتی۔'' (3)

(1) (Wonder of Life) عجائبات حیات) از ہیگل باب ۳ معجزات۔
(2) معجزات پر سیرت کا یہ ٹکڑا آج (۴۵ء) سے ۲۴ سال قبل لکھا گیا تھا۔ (3) بحوالہ جرنل آف فلاسفی بابت ۳۳ء۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ قوانینِ فطرت کا سرے سے کوئی وجو نہیں بلکہ ''ان'' کی حیثیت اعداد و شمار کے لیے قوانین کی رہ جاتی ہے، زندگی کا بیمہ کرنے والی کمپنیاں کوئی ایسا قانون نہیں جانتی ہیں کہ فلاں شخص چالیس برس کی عمر میں مرجائے گا لیکن اتنا جانتی ہیں کہ کسی بڑی جماعت میں اتنے فیصد آدمی چالیس کے سن میں مرجائیں گے یعنی افراد کا عمل ناقابل پیش بینی ہونے کے باوجود جماعت کی نسبت پیش بینی ممکن ہے بس قوانینِ فطرت فقط اسی معنی میں موجود ہیں اور سائنسی پیشین گوئی یا پیش بینی ہوسکتی ہے۔ [1]

بالفاظ دیگر قانون فطرت کی نوعیت دراصل قانون عادت کی ہے یعنی کسی خاص فرد کے بارے میں وجوباً پیشین گوئی نہیں کی جاسکتی کہ وہ فلاں عمر میں مرجائے گا البتہ عادۃً یہ معلوم ہے کہ کسی بڑی جماعت میں اتنے فیصد چالیس سال کی عمر میں مرجائیں گے مذہب کی زبان میں اسی قانون عادت کو عادۃ اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کی بناپر عمل فطرت کی یکسانی یا قوانین فطرت کے نفس وجود کا انکار نہیں لازم آتا البتہ ان قوانین کا منشا یہ ہے، بہرے، بے علم واختیار مادہ کا اٹل وجوب ولزوم سے نہیں۔ بلکہ ایک علم واختیار والی ذات (اللہ تعالیٰ) کی عادت جاریہ سے ہے جو کسی حکمت ومشیت کے تحت کبھی کبھی اس عادت جاریہ کے خلاف بھی کرسکتی اور کرتی ہے یہی معجزہ ہے اور بقول مشہور سائنس دان ڈاکٹر کارپنٹر کے کہ قائل مذہب سائنس دان کو اس کے ماننے میں کوئی عقلی دشواری نہیں پیش آسکتی کہ خالق فطرت اگر چاہے تو کبھی کبھی قوانین فطرت کے خلاف بھی کرسکتا ہے ہم کو معجزات کے خلاف اگر سائنس کے کسی ایسے فتویٰ کا علم نہیں جو معتبر شہادت کی موجودگی میں ان کے قبول کرنے سے مانع ہو۔ [2]

جب کارپنٹر کے زمانہ میں ہی سائنس کا کوئی ایسا فتویٰ معلوم نہ تھا تو اب کو اٹم نظریہ کے بعد جب کہ کلام وفلسفہ کے نرے قیاسات سے گزر کر خود سائنس کی دنیا میں اور سائنس ہی کی راہ سے فطرت یا علیت کے نام نہاد اٹل قوانین کا وجود اتنا مشتبہ ہوگیا ہے کہ مادی دنیا سے بظاہر ان کو ہمیشہ کے لیے رخصت کرنا پڑ رہا ہے تو اور بھی سائنس کا یا قوانین فطرت کے خرق کا نام لے کر کسی معجزہ کا انکار کس منہ سے کیا جاسکتا ہے لہٰذا بقول کارپنٹر ہی کے اصل سوال صرف یہ ہے کہ آیا اس قسم کی تاریخی شہادت موجود ہے یا نہیں جس سے معلوم ہو کہ خالق فطرت کبھی کبھی خلاف فطرت بھی کردیا کرتا ہے۔'' [3]

یہ صرف ممکن ہی نہیں ہے کہ خالق فطرت اگر چاہے تو کبھی کبھی قوانین فطرت کے خلاف کرسکتا ہے یعنی معمولی سلسلۂ علل واسباب ومعلولات کو توڑ سکتا ہے بلکہ ایک اور نامور عالم طبیعیات پروفیسر ڈالبیر [4] کا اعتراف یہ ہے کہ اس امر کی ہمارے پاس خاصی شہادت موجود ہے جس کو آسانی سے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا

[1] پورا نام (Out Line of Modern Belief) ہے، مرتبہ جے ڈبلیوان سولیوان (Sulivan) واٹر گریرسن (Grierson) حصہ چہارم، باب ٦ صفحہ:٢٨ ۔ [2] دیکھو فرانک بیلارڈ کی (The Miracle of unbelife)

[3] ایضاً۔ [4] دیکھو اس کی کتاب Metter, Either, Notion (مادہ، پتھر، حرکت)۔

کہ بعض طبعی حوادث اس طرح وقوع پذیر ہوتے ہیں کہ ان کے تمام معمولی علل و اسباب غائب ہوتے ہیں اجسام حرکت کرتے ہیں اور درانحالیکہ نہ کوئی شخص ان کو چھورہا ہے اور نہ برقی یا مقناطیسی عوامل کا پتا ہے اس کی بھی شہادت موجود ہے کہ ایک نفس کا خیال دوسرے نفس میں (بلا کسی وساطت کے) پہنچ سکتا ہے اور جس قسم کے واقعات کو معجزہ سمجھا جاتا تھا ان کا وقوع اب غیر اغلب نہیں رہا ہے۔ ہکسلے کو اگرچہ اس بارے میں ہیوم سے شدید اختلاف ہے کہ معجزہ نام قوانین فطرت کے خرق کا ہے۔ لیکن تصریحات بالا سے قانون فطرت کی جو حقیقت ثابت ہوتی ہے اس کو اگر وضاحت کے ساتھ سامنے رکھا جائے تو ہمارے نزدیک معجزہ کی یہ تعریف چنداں قابل اعتراض نہیں رہ جاتی۔

① قوانینِ فطرت عبارت ہیں قوانینِ عادت سے۔

② جو ہم کو بذاتِ خود اشیاء کے اندر معلوم نہیں بلکہ ان کی بنیاد تمام تر گزشتہ تجربہ پر ہوتی ہے۔ جس کے خلاف ہونا ہمیشہ ممکن ہے اور کسی اصلی استحالہ کو مستلزم نہیں۔

③ لہٰذا قوانین فطرت کے خلاف ہونا (یعنی ان کا خرق) بذاتِ خود ممکن، عقلاً جائز ہے بہ الفاظ دیگر کہ معجزہ عقلاً بالکل جائز و ممکن ہے۔

شہادتِ معجزات

☆ امکان، وقوع کے لیے کافی نہیں :

لیکن کسی امر کا صرف عقلاً جائز و ممکن ہونا اس کے وقوع کی دلیل نہیں، یہ عقلاً بالکل جائز و ممکن تھا کہ اکبر ہندوستان کے ساتھ انگلستان کا بھی بادشاہ ہوتا، مگر واقعتاً ایسا نہیں، کسی شے کے وقوع کو قبول کرنے کے لیے دو صورتیں ہیں: (۱) غیر مشتبہ مشاہدہ یا (۲) تشفی بخش شہادت، غیر مشتبہ مشاہدہ کی صورت میں کوئی شے بحث طلب نہیں رہ جاتی، مثلاً:

"آنحضرت ﷺ نے ایک سفر میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے وضو کا پانی طلب فرمایا، انہوں نے قافلہ میں بہت ڈھونڈا پانی نہیں ملا، انصار میں ایک شخص تھے، جو خاص طور پر آپ کے لیے پانی ٹھنڈا کر کے رکھتے تھے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں پانی نہ ملنے کی اطلاع کی تو آپ نے ان کو ان انصاری کے پاس بھیجا لیکن ان کے پاس بھی اس قدر کم پانی نکلا کہ اگر انڈیلا جاتا تو برتن کے خشک حصہ ہی میں جذب ہو کر رہ جاتا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر دی تو آپ نے اس برتن کو منگا بھیجا اور ہاتھ میں لے کر کچھ پڑھا اور اس کو ہاتھ سے دبا دیا پھر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو برتن دیا اور طشت طلب فرمایا، آپ نے ہاتھ کی انگلیاں پھیلائیں اور اس طشت کے اندر رکھ کر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ

بسم اللہ کہہ کر آپ کے ہاتھ پر پانی گرائیں، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے پانی ڈالنا شروع کیا پہلے آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی اُبلا پھر تمام طشت بھر گیا یہاں تک کہ سب لوگ پانی پی کر سیراب ہوگئے اس کے بعد آپ نے اس کے اندر سے ہاتھ نکال لیا تو طشت بھرا کا بھرا رہ گیا۔'' [1]

اب اگر حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کو بچشم خود مشاہدہ کیا اور ان کو اس میں کسی قسم کا کوئی اشتباہ نہیں تھا تو ظاہر ہے کہ ان کو اس کے یقین وقبول کرنے میں کیا تامل ہو سکتا تھا، البتہ ہمارے لیے اس کے باور کرنے میں یہ بحث پیدا ہو سکتی ہے کہ یہ واقعہ فی نفسہٖ ممکن ہے یا ناممکن اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی شہادت کہاں تک قابل اعتبار ہو سکتی ہے۔ لہٰذا امکان معجزات کا مرحلہ طے ہو چکنے کے بعد دوسری بحث شہادت معجزات کی پیدا ہوتی ہے۔

ہیوم کا فتویٰ

ہیوم کا روایاتِ معجزہ کے متعلق اگرچہ آخری فتویٰ یہی ہے کہ اس کے اثبات کے لیے انسانی شہادت کی کوئی کمیت وکیفیت نہیں کافی ہو سکتی، تاہم نفس خارق فطرت وواقعات کے لیے اس کے نزدیک بھی انسانی شہادت کا ایک درجہ ایسا موجود ہے جس کی بنا پر ان کو قبول کیا جا سکتا ہے۔

''فرض کرو کہ تمام زبانوں کے تمام مصنفین اس پر متفق ہوں کہ یکم جنوی ۱۶۰۰ء سے لے کر آٹھ دن تک برابر تمام روئے زمین پر تاریکی چھائی رہی یہ بھی فرض کرو کہ اس خارقِ عادت واقعہ کی روایت آج تک لوگوں کی زبان پر ہے اور دوسرے ممالک سے جو سیاح آتے ہیں وہ بے کم و کاست اور بلاشائبہ تناقض وہاں کے لوگوں کے یہی روایت بیان کرتے ہیں ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ہمارے زمانہ کے حکما کا کام شک کے بجائے اس واقعہ کا یقین کر کے اس کی توجیہ اور اس کے علل واسباب کی جستجو ہوگی کائنات فطرت میں زوروانحطاط، فنا وفساد کی مثالیں اس کثرت سے ملتی ہیں کہ اگر کسی حادثہ سے اس کی تباہی کے آثار پائے جائیں تو اس کے بارے میں انسانی شہادت قابل قبول ہوگی بشرطیکہ یہ نہایت وسیع، متواتر اور متفق علیہ ہو۔'' [2]

ہیوم کا تعصب

اب اگر یہی واقعہ کسی نبی کی طرف منسوب کر کے معجزہ قرار دیا جائے تو ہیوم کے نزدیک اس پر یقین کرنے کے لیے کوئی انسانی شہادت قابل قبول نہ ہوگی، کیوں؟ اس لیے کہ ''اس قسم کی شہادت خود اپنی تکذیب ہے۔'' حتیٰ کہ ''جس معجزہ کی بنا کسی انسانی شہادت پر ہو، وہ حجت واستدلال کے بجائے محض تمسخر انگیز چیز

[1] دیکھو کتاب ھذا بیان عام معجزات (صحیح مسلم، کتاب الزھد، باب حدیث جابر الطویل: ۷۵۱۹)۔

[2] فھم انسانی، باب ۱، ص: ۱۴۶۔

ہے۔"مذہب کے نام سے لوگ ہمیشہ مضحک وخرافات افسانوں کے دام میں آ جاتے ہیں لہٰذا مذہب کی طرف نفس انتساب ہی معجزہ کے حیلہ وفریب ہونے کا پورا ثبوت ہے۔ مذہب جیسی مقدس شے کی تائید میں لوگ بے ضرر کذب وافترا سے باک نہیں کرتے، پیمبر (معاذ اللہ) عزت پیمبری کے شوق میں ہر طرح کے خطرات کو گوارا کر سکتا ہے، مکر واحتیال پر آمادہ ہو سکتا ہے۔ انسان زود اعتقاد اور بالطبع عجائب پسند ہے، معجزات کا قبول عام اور بہ آسانی شائع وذائع ہو جانا خود اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ انسان میں عجائب پرستی کا کیسا شدید میلان ہے اور اس لیے عجائب پرستی کے تمام بیانات کو بجا طور پر اشتباہ کی نگاہ سے دیکھا جا سکتا ہے پھر معجزات اور فوق الفطرت باتوں کے خلاف ایک ہی قوی قرینہ یہ ہے کہ ان کا اعتقاد زیادہ تر جاہل اور وحشی اقوام میں پایا جاتا ہے۔ ایک عقل مند آدمی پرانے زمانے کی حیرت زا تاریخوں کو پڑھ کر پکار اٹھتا ہے کہ عجیب بات ہے کہ اس قسم کے خارقِ عادت واقعات ہمارے زمانہ میں ظاہر نہیں ہوتے انہی وجوہ کی بنا پر دعویٰ ہے کہ مذہب کے نام سے جتنے معجزات بیان کیے جاتے ہیں وہ سب کے سب محض خرافات اور انسان کی اوہام پرست فطرت کا ڈھکوسلا ہیں۔ [1]

بلاشبہ شہادت کی جرح وتعدیل اور تحقیق وتنقیح کے وقت یہ تمام امور قابل لحاظ ہیں لیکن کیا ان میں سے کوئی ایک شے بھی ایسی ہے جس کی بنا پر محض معجزہ یا مذہب کے نام آتے ہی ہیوم کا یہ ایسا ناقابلِ حمایت اور صریح تعصب تھا جس کے لیے صدائے تائید حکمت وفلسفہ کے سنجیدہ حلقوں سے نہیں اٹھ سکتی تھی اور اگر کسی معجزہ کی تصدیق تشفی بخش شہادت موجود ہو تو اس کے قبول سے محض معجزہ ہونے کی بنا پر کسی عاقل کو انکار نہیں ہو سکتا۔ مثلاً: ایک سفر میں "صحابہ رضی اللہ عنہم بھوک سے اس قدر بے تاب ہوئے کہ اونٹنیاں ذبح کرنی چاہیں لیکن آپ ﷺ نے ان تمام لوگوں کے زادِ راہ کے جمع کرنے کا حکم دیا، ایک چادر بچھائی اور اس پر تمام زادِ راہ ڈھیر کیا گیا، اس تمام سامان کی مجموعی تعداد نے صرف اس قدر زمین کا احاطہ کیا جس پر ایک بکری بیٹھ سکتی تھی اور اشخاص کی تعداد چودہ سو تھی لیکن تمام لوگوں نے سیر ہو کر کھا لیا اور اپنے اپنے توشہ دان بھر لیے۔" [2]

کافی شہادت

اب اس روایت میں اگر ان امور کی کافی شہادت مل جائے کہ (۱) تمام زادِ راہ صرف ایک بکری کے بیٹھنے بھر کی جگہ میں آ گیا تھا (۲) اشخاص کی تعداد چودہ سو تھی (۳) سب لوگوں نے سیر ہو کر کھا لیا (۴) اور اپنے اپنے توشہ دان بھر لیے تو ہکسلے جیسے حکیم وفلسفی تک کو اس روایت کے تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہ ہوگا۔ چنانچہ اسی نوعیت کا ایک معجزہ حضرت مسیح علیہ السلام کا انجیل میں مذکور ہے کہ پانچ روٹیوں اور مچھلیوں سے پانچ ہزار

[1] یہ تمام قریب قریب ہیوم ہی کے الفاظ ہیں جو تم کو اس کے مضمون "معجزات" میں جا بجا ملیں گے۔ [2] دیکھو کتاب ہذا بیان عام معجزات۔ صحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب استحباب خلط الازواد اذا قلت، والمواساة فيها: ٤٥١٨۔

آدمیوں کا پیٹ بھر گیا اور پھر بھی اتنے ٹکڑے بچ رہے جن کو جمع کرنے سے بارہ ٹوکریاں بھر گئیں [1] لیکن اس معجزہ کے باور کرنے میں روایتاً و درایتاً جو دشواریاں نظر آتی ہیں ان کو پوری طرح واضح کرنے کے بعد ہکسلے نے لکھا ہے کہ :

''اگر یہ ثابت کیا جائے کہ (۱) کھانا شروع کرتے وقت روٹیوں اور مچھلیوں کا وزن کیا تھا (۲) پانچ ہزار آدمیوں میں یہ تقسیم کی گئیں بلا اس کے کہ ان کی کمیت یا کیفیت میں کوئی اضافہ ہوا ہو (۳) تمام آدمی واقعتاً پوری طرح آسودہ ہو گئے (۴) اور اس کے بعد ٹوکریوں میں جو ٹکڑے جمع کیے گئے، ان کا وزن کیا تھا تو پھر ممکنات و ناممکنات کے بارہ میں میرے موجودہ خیالات کچھ ہی ہوں لیکن مذکورہ بالا چار چیزوں کی تشفی بخش شہادت کے بعد مجھ کو ماننا پڑے گا کہ پچھلے خیالات غلط تھے اور اس معجزہ کو ممکنات فطرت کی ایک نئی اور خلاف توقع مثال سمجھوں گا۔'' [2]

غرض معجزہ نہ صرف فی نفسہ ایک ممکن الوقوع شے ہے بلکہ ''تشفی بخش شہادت'' کی بنا پر اس کے وقوع کا یقین بھی کیا جا سکتا ہے اس کے بعد یہ بحث رہ جاتی ہے کہ آیا مذہبی یا تاریخی کتابوں میں جو معجزات مذکور ہیں ان کے یقین کرنے کے لیے ''تشفی بخش'' شہادت موجود ہے؟ اس سوال کا جواب ہیوم کو تو نفی میں دینا ہی چاہیے تھا لیکن یہاں پہنچ کر ہکسلے بھی سپر افگندہ ہو جاتا ہے اور ہیوم کے جواب سے لفظاً و معناً کامل طور پر اتفاق کر لیتا ہے۔ [3]

''یہ سچ ہے کہ معجزات کے ناممکن ہونے کا دعویٰ نہیں ثابت کیا جا سکتا لیکن مجھ کو کوئی ایسی شے قطعاً نہیں معلوم جس کی بنا پر میں ہیوم کے اس وزنی فتویٰ میں کچھ ترمیم کر سکوں کہ تاریخ کے سارے دفتر میں ایک بھی ایسا معجزہ نہیں ملتا جس کی تصدیق و تائید میں ایسے فہمیدہ، باہوش اور تعلیم یافتہ لوگوں کی کافی تعداد موجود ہو جن کے خود فریب مغالطہ میں پڑنے کا ہم کو اندیشہ نہ ہو جن کی راست بازی اس درجہ غیر مشتبہ ہو کہ کسی مصلحت کی بنا پر دوسروں کو فریب دہی کا ان پر گمان نہ ہو سکے جو لوگوں کی نگاہ میں ایسی عزت و شہرت رکھتے ہوں کہ اگر ان کا جھوٹ کھل جائے تو ساری عزت خاک میں مل جائے ساتھ ہی جن واقعات کی وہ روایت یا تصدیق کر رہے ہیں وہ ایسے علی الاعلان طریقے سے اور ایسے مشہور مقام پر واقع ہوئے ہوں کہ ان کی نسبت دروغ بیانی چھپ ہی نہ سکے حالانکہ انسانی شہادت کو قطعی بنانے کے لیے یہ تمام باتیں ضروری ہیں۔''

ہیوم نے کہنے کو تو کہہ دیا کہ قبول معجزات کے لیے جس درجہ کی شہادت درکار ہے اس کا تاریخ کے دفتر

[1] یوحنا باب ۶، آیت: ۵۔۱۴۔
[2] مقالات ہکسلے، ج ۵ ص: ۲۰۳۔
[3] مقالات ہکسلے، ج ۲ ص: ۲۰۷۔

میں کہیں پتہ نہیں لیکن معجزات کے عدم قبول کی کیا واقعتاً یہی وجہ ہے؟ اور کیا اس نے اپنے اس دعویٰ کی چند ہی صفحات آگے بڑھ کر خود تردید نہیں کر دی ہے؟ فرانس میں کوئی مشہور درگاہ ہے جس کے تقدس پر بقول ہیوم لوگ مدتوں فریفتہ رہے ہیں۔

''بہروں کو سماعت، اندھوں کو بصارت مل جانا اور بیماروں کا اچھا ہو جانا اس مقدس درگاہ کی معمولی کرامتیں تھیں جن کا ہر گلی کوچے میں چرچا رہتا تھا لیکن سب سے حیرت انگیز اور غیر معمولی بات یہ ہے کہ ان میں سے بہت سی کرامتیں ایسے اشخاص کو حکم یا ثالث بنا کر ان کے روبرو ثابت کر کے دکھائی گئی ہیں جن کی دیانت پر حرف رکھنا ناممکن ہے پھر ان پر ایسے گواہوں کی مہر تصدیق ثبت ہے جن کی شہرت وسند مسلّم ہے، جس زمانہ میں ان کرامتوں کا ظہور ہوا وہ علم کا زمانہ ہے اور جگہ بھی ایسی جو دنیا کا مشہور ترین خطہ ہے، اتنا ہی نہیں بلکہ یہ کرامتیں چھاپ چھاپ کر ہر جگہ شائع کی گئیں باایں ہمہ یسوعی فرقہ تک کو ان کی تکذیب یا پردہ دری کی مجال نہ ہوئی، حالانکہ یہ لوگ خود اہل علم تھے، مجسٹریٹ ان کی حمایت پر تھا اور ان خیالات کے جانی دشمن تھے، جن کی تائید میں یہ معجزات پیش کیے جاتے تھے، اب یہ بتاؤ کہ کسی امر کی توثیق و تصدیق کے لیے اتنی تعداد میں موافق حالات ہم کو کہاں میسر آ سکتے ہیں اور ان دل بادل شہادتوں کے خلاف ہمارے پاس بجز اس کے اور کیا دلیل ہے کہ یہ واقعات بذات خود قطعاً ناممکن اور سراسر خارق فطرت ہیں اور معقول پسند آدمیوں کی نگاہ میں ان کی تردید کے لیے بس یہی ایک دلیل کافی ہے۔'' [1] (اللھم احفظنا من شرور انفسنا)

ہیوم کا صریح تناقض

ایک ہی مضمون کے اندر ایسے زبردست فلسفی کی ایسی صریح تناقض بیانی جس قدر حیرت افزا ہے اس سے کہیں زیادہ عبرت انگیز ہے، بات یہ ہے کہ انسان کا یقین ہمیشہ اس کی منطق کا ساتھ نہیں دیتا۔ جبریہ اس کے قائل ہیں کہ انسان اپنے افعال میں مجبور محض ہے اور اس دعویٰ پر انہوں نے اٹل سے اٹل دلائل قائم کر دیے ہیں، تاہم دیکھو کہ ۲۴ گھنٹے کی زندگی میں وہ خود کتنے لمحے ان دلائل کی بنا پر اپنے کو مجبور محض یقین کرتے ہیں، ہیوم کے دلائل فلسفہ نے بے شک یہ ثابت کر دیا کہ ''معجزہ فی نفسہ ناممکن نہیں لیکن پھر بھی دل سے یہ کھٹک نہیں نکلتی کہ یہ واقعات (معجزات) بذات خود ناممکن اور سراسر خارق عادت ہیں۔'' اور ان کی تردید کے لیے بس یہی ایک دلیل کافی ہے، فرانس کی درگاہ کے متعلق جو کرامتیں مشہور ہیں ان کی توثیق و تصدیق کے لیے اسی درجہ کی شہادت اس کو مل گئی جس کا چند صفحہ پہلے اس کے نزدیک تاریخ کے سارے دفتر

[1] فہم انسانی، باب ۱۰، فصل ۲، ص: ۱۴۲، قابل توجہ فقرات کو زیر خط میں مؤلف ہذا نے کیا ہے

میں وجود نہ تھا لیکن پھر بھی ان کرامتوں سے قطعی انکار ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ معجزات کا یقین کرانے کے لیے کسی معجزہ یا کرامت کی تائید میں صرف ممکن سے ممکن انسانی شہادت کا مہیا کر دینا کافی نہیں ہے بلکہ پہلے اس کے عدم امکان کا وسوسہ پوری طرح ذہن سے نکالنا چاہیے اور پھر خود یقین کی ماہیت و اسباب پر بحث کرنی چاہیے۔

انتہائی استبعاد

اوپر اگرچہ ہم نے ہیوم کی اس تعریف میں چنداں مضائقہ نہیں خیال کیا تھا کہ معجزات نام ہے خارق فطرت واقعات کا، لیکن تم نے اقتباس بالا کے آخری زیر خط جملہ میں دیکھ لیا کہ ''خارق'' کا لفظ کس قدر گمراہ کن ہے، خود ہیوم ہی کے فلسفہ کی رو سے معجزات کا بالذات ممکن ہونا قطعی طور پر محقق ہو چکا ہے، پھر بھی اس کی زبان قلم اس لغزش سے اپنے کو نہیں بچا سکتی کہ واقعات (معجزات) بذات خود قطعاً ناممکن اور سراسر خارق فطرت ہیں۔ اصل یہ ہے کہ نفسی اختلافات کی بنا پر ہمارے ذہن میں یہ غلط خیال بے طرح جاگزیں ہو چکا ہے کہ فطرت یا قانون فطرت ایک اٹل اور ناممکن التغیر شے ہے، اس لیے کسی واقعہ کو خارق فطرت کہتے ہی اس کے ناممکن ہونے کا تصور ذہن پر مسلط ہو جاتا ہے۔

لہٰذا جب یہ مختتم طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ خود معجزہ کی ذات میں عدم امکان داخل نہیں ہے بلکہ ''تشفی بخش شہادت'' کی موجودگی میں اس کا یقین کیا جا سکتا ہے تو اس کو ''خارق فطرت'' کی گمراہ کن تعبیر کے بجائے بکسلے کے الفاظ میں زیادہ سے زیادہ انتہائی حیرت انگیز واقعہ کہا جا سکتا ہے لیکن انتہائی حیرت انگیز سے بھی مناسب تر تعبیر انتہائی مستبعد کی ہوگی۔

استبعادِ مُعجزات

فطرت کی یکسانی :

ایک عام خیال جو اس ''حیرت انگیزی'' میں اضافہ کرتا ہے، یہ ہے کہ کارخانہ فطرت کے تمام پرزے ہمیشہ اور ہر حالت میں یکساں ہی نتائج پیدا کرتے ہیں، حکما جب تک فطرت کی یک رنگی پر زور دیتے ہیں تو اسی مغالطہ میں بتلا نظر آتے ہیں حتی کہ مل کو اپنی ''منطق'' [1] میں اس خیال کی تردید کرنی پڑی کہ فطرت کی کارفرمائی ہمیشہ یکسانی پر مبنی ہوتی ہے، ہم خود غور کریں تو کچھ نہ کچھ مثالیں ایسی سامنے آتی رہتی ہیں جن سے یہ مغالطہ دور ہو جانا چاہیے ابھی آج ہی اخبار پڑھتے وقت اس قسم کے دو واقعے نظر پڑے۔ [2]

عورتوں کے علی العموم بہ وقتِ واحد ایک لڑکا ہوتا ہے یا کبھی کبھی دو لیکن حال میں میکسکو (امریکہ) میں ایک عورت کے ایک ساتھ آٹھ لڑکے پیدا ہوئے۔ ایک دوست سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو اس نے کہا: کچھ

[1] نظام منطق کتاب ۳، باب: ۳۔ [2] یہ دونوں واقعے آج ۲۷ فروری ۱۹۲۲ء کے لیڈر میں مذکور ہیں۔

عرصہ ہوا کہ برھما میں ایک عورت کے چھ لڑکے ہونے کی خبر شائع ہوئی تھی۔ طبعی دنیا کا عام تجربہ ہے کہ جب خون کی حرارت ۱۰۷ یا ۱۰۸ درجے پر پہنچ جاتی ہے تو آدمی نہیں بچتا لیکن برسٹل میں انفلوائنزا کی مریض ایک لڑکی کا بخار ۱۱۴ درجے تک پہنچ گیا، پھر بھی وہ اچھی ہو گئی اور زندہ ہے خود حیرت زدہ ڈاکٹر کی شہادت ہے کہ :

''جب وہ پہلی دفعہ اس لڑکی کو دیکھنے کے لیے بلایا گیا تو اس کی حرارت ۱۱۲ نکلی، خیال ہوا کہ تھرمامیٹر میں کچھ نقص ہے، دوسرا تھرمامیٹر منگا کر لگایا تو پھر وہی ۱۱۲۔ ڈاکٹر کو اب بھی یقین نہ آیا اس نے دو تھرمامیٹر اور منگوائے، بالآخر یقین کرنا پڑا کچھ علاج سے بخار اپنی معتدل حالت پر آگیا لیکن رات کو پھر بڑھ گیا اور دوسرے دن صبح کو جب ڈاکٹر نے دیکھا تو ۱۱۴ تھا، حیرت کی انتہا نہ رہی، بہر حال علاج سے فائدہ ہوا اور اب مریضہ خاصی روبصحت ہے۔''

تریکون متی ☆ (ٹرگنامیٹری) یا ''مساحۃ المثلثات'' وغیرہ ریاضیات عالیہ کی وہ شاخیں ہیں جن کی کالجوں میں ریاضیات کے اعلیٰ مدارج میں تعلیم دی جاتی ہے۔ ۱۰، ۱۱ برس کے بچے جو علی العموم زیادہ سے زیادہ اسکول کی چوتھی پانچویں جماعت میں پڑھتے ہیں، ان کی ریاضی دانی بس حساب کے چند ابتدائی قواعد تک محدود ہوتی ہے جو لڑکے غیر معمولی طور پر ذہین و محنتی اور جن کی تعلیم کا گھر پر معلم رکھ کر کچھ خاص اہتمام کیا جاتا ہے وہ بہت ترقی کرتے ہیں تو ۱۳۔ ۱۴ برس کی عمر میں اسکول کی تعلیم پوری کر پاتے ہیں۔

لیکن گزشتہ سال اکتوبر میں (۱۷ اکتا تار۔ لیڈر) راج نرائن نامی ۱۱ برس کے ایک مدراسی لڑکے کا معجزہ ریاضیات اسی عنوان سے) یہ چھپا تھا کہ اس نے بلا کسی علم کی مدد کے اعلیٰ الجبراء، تریکون متی، تحلیلی، اقلیدس (جامیٹری) وغیرہ از خود حاصل کی ہے۔

ولادت مسیح علیہ السلام (بے باپ کے) یا احیائے موتی سے بڑھ کر کس شے میں انتہائی استبعاد یا اعجاز ہو سکتا ہے لیکن سائنس کی تحقیقات نے (جس کے نزدیک انسان کی حقیقت حیوان عالم سے زیادہ نہیں) حیوانات ہی کے اندر اس کے نظائر بھی تلاش کر لیے، چنانچہ ہکسلے جیسے سائنس دان نے معجزات ہی کے ضمن میں لکھا ہے کہ :

''رہا مریم علیہا السلام کے کنوارپن میں مسیح علیہ السلام کا پیدا ہونا، تو یہ نہ صرف ممکن التصور شے ہے بلکہ علم الحیات کی تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے کہ بعض اصناف حیوانات میں یہ روزانہ کا واقعہ ہے، یہی حال احیائے موتی کا ہے، بعض جانور مر کر مومیات کی طرح بالکل خشک ہو جاتے ہیں اور عرصہ تک اسی حالت میں رہتے ہیں لیکن جب ان کو مناسب حالات میں رکھ دیا جاتا ہے۔ تو پھر جان آجاتی ہے۔'' [1]

☆ trigonometry [1] مقالات ھکسلے، ج ۵، ص: ۱۹۹۔

عصر حاضر کی سائینسی(ٹیکنالوجیکل، علمی) ایجادات و دریافتیں

یہ تو سائنس کا علمی و تحقیقی پہلو تھا، ایجادی و اختراعی پہلو نے بھی اس سے کم ''انتہائی حیرت انگیز'' اعجاز نمائیاں نہیں کی ہیں۔ لاسلکی ذریعہ پیغام رسانی کی ایجاد سے پہلے یہ کس قدر مستبعد بلکہ ایک حد تک نا قابل تصور بات تھی کہ آپ بمبئی میں بیٹھے ہیں اور آپ کا دوست لندن میں، اور درمیان میں ہزار ہا میل سمندروں کی پہنائی حائل ہے، تار وغیرہ کوئی محسوس شے آپ دونوں کے مابین رابطہ نہیں پھر بھی چشم زدن میں آپ اس کو اپنا پیغام پہنچا دے سکتے ہیں ایک منٹ میں ۶۰ سیکنڈ ہوتے ہیں ایک سیکنڈ کے بھی ۱۶ حصے کیجئے اور اس سولہویں حصہ میں یہ پیام ۱۲ ہزار میل سے زائد کی مسافت طے کر سکتا ہے۔ [1]

حیرت پر حیرت یہ ہے کہ آپ صرف پیغام ہی نہیں پہنچا سکتے ہیں بلکہ حال میں ایک فرانسیسی سائنس دان نے اس معجزہ کا دعوٰی کیا ہے کہ بمبئی میں اپنے میز پر بیٹھے بیٹھے آپ اسی لاسلکی کے ذریعہ سے لندن، پیرس، یا نیویارک میں چیک پر اپنے دستخط ثبت کر سکتے ہیں قریب قریب یعنی سینکڑوں میل، کے مقامات پر اس کے کامیاب تجربات ہو چکے ہیں۔ [2]

عملِ تنویم در نفسیات

طبیعات کے ان کرشموں کو دیکھ چکنے کے بعد اب ذرا نفسیات کے اس شعبہ کی تحقیقات کو سامنے لائیے جس کا نام ہپناٹزم ہے، عربی میں اس کو تنویم مقناطیسی کہتے ہیں لیکن ہم صرف تنویم یا عمل تنویم سے تعبیر کریں گے اس عمل کی کرامات ہمارے زمانہ میں ایک نہایت بلند پایہ محقق نفسیات پروفیسر ولیم جیمس کے الفاظ میں یہ ہیں:

> ''عامل تنویم اپنے معمول سے جو کچھ بھی کہتا ہے اس کو وہ یقین کر لیتا ہے اور جس چیز کا حکم کرتا ہے اس کو بجا لاتا ہے حتیٰ کہ جو چیزیں معمولی حالت میں آدمی کے اختیار سے باہر ہوتی ہیں وہ بھی عامل کے حکم سے واقع ہو سکتی ہیں۔ مثلاً: چھینک، چہرے کا سرخ یا زرد پڑ جانا، حرارت خون کا کم یا زیادہ ہو جانا، حرکت قلب میں تیزی یا سستی پیدا ہو جانا وغیرہ وغیرہ۔''
>
> تم معمول کو یقین دلا سکتے ہو کہ وہ یخ ہوا جا رہا ہے یا آگ میں جلا جا رہا ہے، تم اس کو آلو کھلاؤ لیکن یہ یقین دلا سکتے ہو کہ شفتالو کھا رہا ہے' تم اس کو سرکہ پلا کر یقین دلا سکتے ہو کہ شراب پی رہا ہے' نوشادر میں اس کو کالوگنی کی بو محسوس ہو سکتی ہے' کرسی اس کو شیر نظر آ سکتی ہے، جھاڑو اس کے لیے خوبصورت عورت بن سکتی ہے، راستہ کا شور اس کو موسیقی معلوم ہو سکتا ہے، جوان آدمی اپنے کو بچہ، یا نپولین عظیم سمجھنے لگ سکتا ہے۔ سر یا دانتوں کا درد دور کر دیا جا سکتا ہے۔ وجع مفاصل

[1] معارف ج ۱۰، عدد ۲، ۲ راگست: ۱۹۲۲ء۔ [2] انڈین ریویو بابت جنوری ۱۹۲۳ء صفحہ ۷۷۔

وغیرہ کے مریض کو اچھا کیا جا سکتا ہے۔ بھوک فنا کر دی جا سکتی ہے، یہاں تک کہ ایک شخص نے ۱۴ دن تک کھانا نہیں کھایا جس چیز سے تم چاہو اسی چیز سے معمول بہرا یا اندھا ہو سکتا ہے، مثلاً: فلاں لفظ وہ نہ سنے لاکھ اس کے سامنے چیخو نہ سنے گا یا فلاں آدمی کو وہ نہ دیکھے اس کے سامنے کھڑا کر دو وہ نہ دیکھ سکے گا۔'' ❶

اس عمل کے وقت معمول پر ایک نیند کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، اس لیے اس کا نام تنویم ہے لیکن عمل کا اثر اس کیفیت کے بعد بھی قائم رہ سکتا ہے، مثلاً: جس مرض کے لیے تم عمل کرو وہ ہمیشہ کے لیے دور ہو سکتا ہے یا فرض کرو کہ معمول سے تم یہ کہہ دو کہ آئندہ سال جنوری کی ۲۰ تاریخ کو صبح ۹ بجے اپنے پلنگ کے پاس ایک شیر کھڑا دیکھو گے، سال بھر کے بعد ٹھیک اسی وقت پلنگ کے پاس معمول کو شیر دکھائی دے گا۔ گو عمل تنویم کے تجربات زیادہ تر نیند کی کیفیت طاری ہونے کے بعد کیے جاتے ہیں لیکن اس کیفیت کا نمایاں طور پر طاری ہونا کامیابی عمل کے لیے لازمی شرائط میں نہیں ہے بلکہ ڈاکٹر مول کا خیال تو یہ ہے کہ ایسے معمول نسبتاً کم ہوتے ہیں جن پر کیفیت نوم طاری ہوتی ہو ❷ ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اس عمل کا اثر افراد ہی تک محدود نہیں بلکہ جماعتوں اور مجمعوں کو بھی متاثر کر سکتا ہے۔

ڈاکٹر البرٹ مول کا بھی نام لیا جا چکا ہے، اس جرمن فاضل کی کتاب ''ہپناٹزم'' اپنے موضوع پر سب سے بہتر نہایت محققانہ اور مستند خیال کی جاتی ہے، ڈاکٹر موصوف نے اس کتاب میں دکھلایا ہے کہ بہت سے معجزات کی توجیہ نہایت آسانی کے ساتھ تنویم مقناطیسی سے کی جا سکتی ہے، معجزات ہی پر کیا موقوف ہے، سحر وعلمیات تک کے صدہا عجائب کے گرہ کھل جاتی ہے اور جن واقعات پر عُقلا نے اوہام واباطیل کی مہر ثبت کر دی تھی وہ قوانین مادی کی طرح قوانین نفسی کے حقائق بن گئے ہیں۔ ✡

معجزاتِ شفا

بہت سے معجزات وکرامات کا تعلق امراض کی ایسی شفا سے ہے جو طب کے مادی وسائل علاج پر مبنی نہیں اور اس کے لیے مدعیان عقل کے ہاں اس کا نام 'وہم پرستی' تھا لیکن آج تنویمی تحقیقات نے ایک نیا اور نہایت کامیاب اصول علاج منکشف کر دیا ہے جو عام مادی وسائل اور استعمال ادویہ سے قطعاً مستغنی ہے اور اس بے دوا کے علاج سے بہرے شنوا ہو جاتے ہیں پھیپھڑے اور سل کے امراض میں شفا حاصل ہوتی ہے آنکھوں کی بیماریاں جاتی رہتی ہیں وجع مفاصل دور ہو جاتا ہے زخم بھر آتے ہیں ❸ کیا اس کے بعد بھی انجیل

✡ یہاں ساری بحث باری صاحب نے سماجی علوم کی شاخ علم نفسیات کے ضمن میں فرمائی ہے: ڈاکٹر محمد علی جنید۔

❶ دیکھو پروفیسر موصوف کی کتاب ''پرنسپلس آف سائکالوجی'' (اصول نفسیات) جلد دوم، باب: ۲۷)۔

The Principles of Psychology

❷ ڈاکٹر مول کی کتاب ''ہپناٹزم'' صفحہ ۴۹۲ مطبوعہ ۱۹۰۹ء۔

❸ ڈاکٹر مول کی کتاب ''ہپناٹزم'' صفحہ ۳۵۵ مطبوعہ ۱۹۰۹ء۔

کی روایات مسیحائی کو محض خوش اعتقادی یا اکاذیب کا طومار کہنا خود اپنے جہل مرکب کی گواہی نہ ہوگی؟ فرانس کی جس مشہور درگاہ کی کرامات شفا کا اوپر ذکر گزرا ہے ہیوم نے معتبر سے معتبر شہادت کے باوجود ان کو قطعاً ناممکن قرار دیا تھا لیکن ڈاکٹر مول بلا کسی مطالبہ شہادت کے قدیم مصری اور یونانی مندروں کی کرامات شفا کو تنویم ہی کا معجز نما نفسی اثر سمجھتا ہے [1] غرض جو چیز ہیوم کے نزدیک قطعاً ناممکن تھی مول کے نزدیک اب اس میں اتنا استبعاد بھی باقی نہیں کہ کسی غیر معمولی شہادت کا مطالبہ کرے۔ جان اسٹورٹ مل نے معجزہ کی تعریف یہ کی تھی کہ وہ عبارت ہے ایسے واقعہ سے جس کے پہلے وہ لوازم وشرائط نہ پائے جاتے ہوں جو دوبارہ اس کو وجود میں لانے کے لیے کافی ہوتے ہیں لیکن آج ہمارے سامنے وہ لوازم وشرائط موجود ہیں جن کی بناپر عصا اسی طرح اژدھا بن جاتا ہے جس طرح کہ کرسی شیر نظر آسکتی ہے، تم کہو گے کہ تو پھر اس صورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اعجاز کیا رہا، اس کا جواب آئے گا، سردست تم صرف اتنا سمجھ لو کہ عصا کا اژدھا بن جانا اتنا مستبعد واقعہ نہیں جس پر یقین کے لیے نفس نوعیت واقعہ کی بنا پر کسی غیر معمولی شہادت کی احتیاج ہو۔

حیران کن واقعات اور تجرباتِ عامہ

تنویمی تجربات کے علاوہ یوں بھی کچھ نہ کچھ ایسے پر اسرار واقعات مشاہد ومسموع ہوتے رہتے ہیں، جن کی توجیہ عام قوانین فطرت سے نہیں ہوتی اور جو بہت سے معجزات کے متعلق ہماری حیرت واستبعاد میں کمی پیدا کرتے رہتے ہیں۔ ہمارے صوبہ کے مشہور انگریزی اخبار ''لیڈر'' نے پچھلے سال اپریل میں بردوان کا ایک عجیب وغریب واقعہ چھاپا تھا جو نامہ نگار کے الفاظ میں حسب ذیل ہے:

> ''بردوان میں ایک عجیب وپراسرار واقعہ پیش آیا جس نے لوگوں میں کافی سنسنی پیدا کردی ہے، لالہ کندن لال کپور ایک کھتری زمیندار ۱۱ ماہ حال کو ۶ بجے شام کے وقت مرا۔ متوفی چونکہ سوریہ بنسی کھتری تھا، اس لیے جب تک دوسرے دن صبح آفتاب نہ نکل لیا اس کی لاش جلائی نہیں گئی جلانے سے پہلے اس کے لڑکے (انندلال) نے ایک خالی کمرہ میں جہاں کوئی اور نہ تھا لاش کا فوٹو لیا لیکن اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ اس کے فوٹو پر پانچ اور دھندلی تصویریں آگئی ہیں، ان تصویروں میں سے دو کو تو خاندان کے لوگوں نے پہچانا تھا کہ متوفی کی پہلی بیوی اور لڑکی کی ہیں جن کو مرے ہوئے کئی سال ہوچکے ہیں باقی تین تصویریں جو زیادہ روشن نہ تھیں پہچانی نہ جاسکیں۔''

''ٹائمس آف سیلون'' میں ایک انگریز پلانٹر (چائے کا کاشتکار) نے اپنے قلیوں کی قربانی اور پوجا کے کچھ مشاہدات لکھے تھے جو اس کو عجیب معلوم ہوتے تھے ان میں یہ بھی تھا: [2]

---

[1] ہپنا ٹزم، صفحہ: ۳۵۶۔ [2] ''لیڈر'' نے ''ٹائمس آف سیلون'' کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

"ایک شخص آگ کی سوراخ دار چپٹی ہتھیلی پر رکھ کر مندر کے گرد رقص و طواف کرتا تھا اس نے مجھ کو یقین دلایا کہ یہ چپٹی اس کو بالکل گرم نہیں محسوس ہوتی تھی حالانکہ جب میں نے تجربتہً چپٹی کے اسی حصہ کو جو اس شخص کی ہتھیلی پر تھی چھوا تو میری انگلی جل گئی ان کا بڑا پجاری کم و بیش ایک منٹ تک آگ میں ہاتھ ڈالے رہا اور کوئی اثر نہ ہوا اسی طرح اور بھی کئی قلیوں نے نہایت غیر معمولی حرکتیں کیں۔"

ان چشم دید عجائب کو لکھ کر پلانٹر نے ناظرین اخبار سے درخواست کی ہے کہ اگر کسی اور صاحب نے اس قسم کے واقعات دیکھے ہوں تو براہ مہربانی اطلاع دیں یا اگر ان کی کوئی توجیہ و تشریح ہو سکتی ہو تو کریں اس پر خود "ٹائمس" نے لکھا ہے کہ سیلون اور ہندوستان دونوں جگہ مذہبی رسوم کے مواقع پر اس قسم کے واقعات اکثر دیکھنے میں آتے ہیں، مثلاً: کولمبو میں محرم کے موقع پر لوگ آگ میں چلتے ہیں ہم کو نہیں معلوم کہ ایسے واقعات کی اب تک علمی توجیہ ہو سکی ہے، ایک نظریہ یہ ہے کہ لوگ اپنے آپ پر عمل تنویم کر لیتے ہیں۔ [1]

بہر حال توجیہ ہو سکے یا نہ ہو سکے لیکن ایڈیٹر ٹائمس نے پلانٹر کے بیان کی تکذیب نہیں کی نہ کسی مزید شہادت کا مطالبہ کیا، کیوں؟ اس لیے کہ اس طرح کے واقعات اور بھی وقتاً فوقتاً پیش آتے رہتے ہیں جن کو سامنے رکھنے کے بعد پلانٹر کا بیان اتنا مستبعد نہیں رہتا کہ نفس نوعیت واقعات ہی کی بنا پر ان کی تغلیط و تردید کر دی جائے یا کسی غیر معمولی شہادت کا مطالبہ کیا جائے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تم اس واقعہ کو غلط سمجھو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ نہ جلا سکی زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس کی بنا پر تم ان کی نبوت کا اقرار نہ کرو لیکن نفس واقعہ سے انکار کا کیا حق حاصل ہے؟

رؤیائے صادقہ

رؤیا یا خواب کی تشفی بخش عقدہ کشائی سے حکمت و فلسفہ کا ناخن اب تک عاجز ہے، مختلف اصناف خواب کی توجیہ کے لیے جو جو نظریات فرض کیے گئے ہیں، خود ایک خواب پریشان معلوم ہوتے ہیں لیکن قدرت اپنی عجائب آفرینیوں کے لیے انسانی توجیہات کا انتظار نہیں کرتی۔ تم کسی معمر آدمی سے دریافت کرو، اس کو اپنی زندگی کے بہت سے ایسے خواب یاد ہوں گے جو واقعات مستقبل کی تمثیلی یا صریحی پیش بینی تھے میرے ایک فلسفی دوست کو اپنے خوابوں کی صحت کا اس قدر تجربہ ہے کہ جب کسی شخص سے خواب میں ان سے بے لطفی ہو جاتی ہے تو بیداری میں اس نتیجہ کے لیے وہ تیار رہتے ہیں اور اکثر کچھ نہ کچھ بدمزگی کی نوبت آ ہی جاتی ہے مجھ کو اپنے خواب بہت ہی کم یاد رہتے ہیں لیکن جو جس قدر زیادہ وضاحت کے ساتھ یاد رہتا ہے اسی قدر زیادہ صحیح نکلتا ہے، ۱۹۲۰ء کے روزنامچہ میں (۱۵، اپریل) ایک جگہ لکھا ہے کہ :

[1] تنویم مقناطیسی کی تحقیقات کی رو سے آدمی خود اپنے اوپر بھی عمل کر سکتا ہے۔

"آج دوپہر کو سویا تو کیا خواب دیکھتا ہوں کہ "ح" کا خط آیا ہے، جس میں "س" کا بھی ایک خط ملفوف ہے، اٹھنے کے بعد ڈاک آئی تو یہ خواب بالکل واقعہ تھا، انتہا یہ کہ خطوں کا جو مضمون خواب میں دیکھا تھا، وہی قریب قریب بیداری میں بھی پایا، حالانکہ مجھ کو "ح" کے خط کا کوئی انتظار نہ تھا اور "س" کا خط تو حاشیہ خیال میں بھی نہ تھا۔"

پروفیسر بلپر کت اسیریا کے آثار قدیمہ کا ایک مشہور ماہر ہے، اس نے دو بابلی کتبات کے متعلق ایک اشکال کو جو بیداری میں حل نہیں ہوسکا تھا، خواب میں حل کیا اور وہ بھی اس طرح کہ بابل کے ایک پرانے کاہن نے خواب میں آکر اس کی راہنمائی کی۔ ❶

جب عام لوگوں کے یہ تجربات ہیں تو پھر اس میں کیا استعجاب واستبعاد رہ جاتا ہے کہ بعض نفوس قدسیہ (انبیا) کے تمام خواب رؤیائے صادقہ یا ایک طرح کا وحی والہام ہوتے ہیں، رسالت پناہ ﷺ پر وحی کی ابتدا رؤیائے صادقہ (صالحہ) سے ہوئی تھی، اخبار بالغیب کی گرہ بھی بڑی حد تک رؤیائے صادقہ سے کھل جاتی ہے۔

حقیقی اسرارِ نبوت

اسرار نبوت میں سب سے زیادہ پراسرار مقام وہ ہے جہاں ابراہیم علیہ السلام کو خدا خود ندا دیتا ہے ﴿وَنَادَيْنَٰهُ أَن يَٰٓإِبْرَٰهِيمُ ۝﴾ (۳۷/ الصّٰفّٰت:۱۰۴) جہاں سے موسیٰ علیہ السلام کو ﴿وَكَلَّمَ ٱللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ۝﴾ (۴/ النسآء:۱۶۴) کی بنا پر کلیم اللہ کا شرف عطا ہوتا ہے اور جہاں محمد ﷺ اور خدا میں ❷ ﴿قَابَ قَوْسَيْنِ﴾ (۵۳/ النجم:۹) یا اس سے بھی کم کی دوری رہ جاتی ہے، یہی وہ مقام ہے جہاں منطق واستدلال کا "حجاب اکبر" اٹھ جاتا ہے اور ظنی علم کی جگہ کشف ومشاہدہ کا حق الیقین حاصل ہو جاتا ہے، ابراہیم علیہ السلام کو کس نے ندا دی؟ موسیٰ علیہ السلام نے طور پر کس سے کلام کیا؟ اور "لن ترانی" کے باوجود کیا دیکھا؟ وہ کون سی ہستی تھی جس میں اور محمد ﷺ میں صرف قاب قوسین کی دوری تھی؟ اور ﴿فَأَوْحَىٰٓ إِلَىٰ عَبْدِهِۦ مَآ أَوْحَىٰ ۝﴾ (۵۳/ النجم:۱۰) کا ماجرا کیونکر پورا ہوا؟ ان سوالات کا جواب جامہ تحدید میں رہ کر نہ دیا جاسکتا ہے اور نہ سمجھا جاسکتا ہے۔

نبوت کی عام نشانیاں اور مثالیں

عام معجزات کی نوعیت ہے چونکہ اس کی مثالیں جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے معمولی واقعات زندگی میں بھی ملتی رہتی ہیں، لہٰذا اسی نسبت سے ان کے استبعاد میں بھی بہت کچھ کمی ہو جاتی ہے لیکن "وادی ایمن" اور (سدرۃ المنتہیٰ) کی واردات جو اصلی معجزات اور مقام نبوت کی حقیقی "آیات کبریٰ" ہیں ان کی، بظاہر کوئی مثال اس عالم ناسوت میں نہیں نظر آتی جس سے عام انسانوں کو ان کی فہم میں مدد ملے، بے شک ﴿لِنُرِيَكَ مِنْ ءَايَٰتِنَا ٱلْكُبْرَى ۝﴾ (۲۰/ طٰہٰ:۲۳) کا رتبہ بلند ملا، جس کو مل گیا اور یہ سچ ہے کہ آفتاب کی عالم افروزی کا اندازہ ستاروں کی چمک

---

❶ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مضمون "ڈریم"۔ ❷ یا جبرائیل میں "س"۔

سے نہیں ہوسکتا تاہم بہ قدر استعداد تجلی طور کا ہلکا سا پرتو ذرات پر کبھی کبھی پڑ ہی جاتا ہے اور چشم بینا کی ہدایت کے لیے اتنا ہی بس ہے۔ انبیائے مرسلین علیہم السلام کے بعد اولیائے مقربین کے ہاں ان تجلیات کی کافی شہادتیں ملتی ہیں لیکن عام انسانی سطح سے چونکہ یہ درجہ بھی بہت بلند ہے، اس لیے اور نیچے اتر کر ہم کو اپنی سطح کی کچھ مثالیں تلاش کرنی چاہئیں۔ پروفیسر ولیم جیمس جو ہمارے زمانہ کا سب سے نامور محقق نفسیات اور جس کا شمار اکابر فلاسفہ میں ہے اس نے لوگوں کے ذاتی واردات مذہب یا مذہبی تجربہ وشعور کے مختلف اصناف پر ۵۰۰ صفحات سے زائد کی ایک کتاب لکھی ہے۔ [1] اس میں بلا قید مشرق ومغرب، انبیا واولیا عوام وخواص علما وحکما سب کے تجربات مذہبی کی آپ بیتی واردات کو یکجا کیا اسی ذخیرہ میں سے ہم صرف عام انسانی سطح کے چند واقعات کا بہ ترتیب ذیل انتخاب کرتے ہیں۔ سب سے پہلے جیمس نے اپنے ایک بے تکلف اور نہایت ہی ذہین وزیرک دوست کے متعدد تجربات لکھے ہیں، اس دوست کو کبھی کبھی رات کے وقت جب کہ یہ کتب بینی میں مشغول ہے، یا خالی بیٹھا ہے ایسا معلوم ہوا کہ کمرے کے اندر کوئی موجود ہے پلنگ کے پاس ہے، اپنی گود میں اس کو دبا رہا ہے، گو وہ نہیں جانتا کہ یہ کون ہے؟ یا کیا ہے؟ تاہم نفس اس کی موجودگی کا اس سے کہیں زیادہ اس کو یقین ہے جتنا کہ دن کی روشنی میں کسی ذی روح کی موجودگی کا ہوسکتا ہے وہ اس کو کسی متشخص ذات یا انسان کی طرح نہیں دیکھ رہا ہے پھر بھی اپنے تمام محسوسات سے زیادہ اس کے حقیقی، واقعی ہونے کا اذعان ہے:

”اس کی موجودگی میں نہ کوئی ابہام والتباس ہے، نہ یہ شعر یا موسیقی کے وجد وکیف کا سا پیدا کردہ کوئی جذبہ ہے، بلکہ یہ ایک قوی شخصیت کی نہایت قریب موجودگی کا قطعی علم ویقین ہے اور اس کے چلے جانے کے بعد میرے حافظہ میں اس کی یاد ایک حقیقت کی طرح تازہ ہے، ہر چیز جو میں لکھتا یا سنتا ہوں خواب ہوسکتی ہے، لیکن یہ واقعہ خواب نہ تھا۔“ (صفحہ ۶۰، ۶۱)

یہ دوست کوئی وہم پرست نہیں ہے بلکہ جیمس کو اس بات پر حیرت ہے کہ وہ ان تجربات کو مذہبی رنگ میں کیوں نہیں تعبیر کرتا، اس کے بعد ایک اور شخص کا بیان ہے:

”میری آنکھ بہت رات رہے کھل گئی، ایسا معلوم ہوا کہ کسی نے جان بوجھ کر جگا دیا اور پہلے میں یہی سمجھا کہ کوئی شخص اندر گھس آیا ہے، میں نے پھر سونے کے لیے کروٹ بدل لی فوراً ہی محسوس ہوا کہ کمرے میں کوئی موجود ہے اور یہ کچھ عجیب احساس تھا کسی عام ذی حیات شخص کی موجودگی کا نہیں بلکہ ایک روحانی وجود کا احساس تھا ممکن ہے کہ تم کو اس پر ہنسی معلوم ہوتی ہو لیکن میں وہ بیان کرتا ہوں جو مجھ پر گزری بجز اس کے کہ میں ایک روحانی وجود سے اس کو تعبیر کروں اور کوئی بہتر صورت مجھ کو اپنے احساس کے ادا کرنے کی نہیں ملتی، ساتھ ہی مجھ کو ایک یہ دہشت بھی محسوس ہوئی کہ کوئی عجیب وخوفناک واقعہ ظاہر ہوا چاہتا ہے۔“ (ص ۶۲)

[1] اس کا نام The Uireeties of Religious Exprerience تجربہ مذہبی کے اصناف پر وفیسر موصوف کا انتقال ابھی ۱۹۱۰ء میں ہوا ہے۔

☆ ایک سائنس دان کے اعترافات سنو :

''بیس اور تیس سال کی عمر کے مابین میں بتدریج لا ادری اور لا مذہب ہو گیا تھا، تاہم اس ''غیر متعین شعور'' سے میں کبھی خالی نہیں رہا، جس کا نام ہربرٹ اسپنسر نے حقیقۃ مطلقہ رکھا ہے لیکن اسپنسر کی طرح یہ حقیقت میرے لیے محض ناممکن العلم نہ تھی کیونکہ گو میں نے طفلانہ طریقہ سے خدا سے دعائیں مانگنا چھوڑ دیا تھا اور مذہبی رسم کے مطابق کبھی نماز نہیں پڑھی نہ دست بدعا ہوا، تاہم میرا زیادہ حال کا تجربہ یہ بتلاتا ہے کہ عملاً اس ذات کے ساتھ مجھ کو وہی تعلق رہا ہے جو دعا اور نماز کا ہوتا ہے جب مجھ پر کوئی مصیبت پڑی خواہ وہ خانگی ہو یا کاروباری یا جب میں کسی معاملہ کے متعلق پریشان و متردد ہوا اور میرا دل بیٹھنے لگا تو اعتراف کرتا ہوں کہ استعانت کے لیے میں اسی تعلق کی طرف بھاگا جو اس ذات کے ساتھ مجھ کو حاصل تھا، اس نے ہمیشہ میری نصرت کی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کی تائید غیبی نے مجھ کو بے انتہا قوی کر دیا ہے میں پاتا ہوں کہ اس کے ساتھ میرا تعلق دراصل شخصی تھا کیونکہ ادھر چند سال سے اس سے استعانت کی قوت نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے جس سے مجھ کو ایک صریح فقدان کا شعور ہے اور اقرار ہے کہ میں اپنی زندگی میں ایک بڑی قوت و نصرت سے محروم ہو گیا ہوں جس ذات کو میں ''اس'' سے تعبیر کر رہا ہوں، یہ اسپنسر کی نامعلوم حقیقت نہ تھی بلکہ یہ میرا خدا تھا جس کی تائید پر مجھ کو بھروسا تھا لیکن جس کو نہیں معلوم میں نے کس طرح کم کر دیا۔'' (صفحہ ٦٤-٦٥) [1]

☆ سویٹزرلینڈ کے ایک شخص کی آپ بیتی یہ ہے کہ :

''میں پوری طرح صحیح و تندرست تھا کسی قسم کی تھکن بھوک یا پیاس قطعاً نہ تھی طبیعت بالکل چاق اور شگفتہ تھی گھر سے جو خبر ملی تھی اچھی تھی غرض دور و نزدیک کسی قسم کی کوئی پریشانی نہ تھی ہوشیار راہنما ہم لوگوں کے ساتھ تھا، رات میں بھٹکنے کا بھی مطلقاً اندیشہ نہ تھا، مختصر طور پر اپنی اس حالت کو یوں ادا کر سکتا ہوں کہ میرا دل و دماغ اس وقت کامل توازن کی حالت میں تھا کہ یکا یک مجھ کو اپنے اندر ایک طرح کا ارتقا محسوس ہوا اور یہ معلوم ہوا کہ خدا موجود ہو گیا اس کی رحمت و قوت میرے سارے وجود میں نفوذ کر رہی ہے، یہ کیفیت اس درجہ شدید تھی کہ ساتھیوں سے بمشکل اتنا کہہ سکا کہ آگے چلو میرا انتظار نہ کرو، اب مجھ میں کھڑے ہونے کی تاب نہ تھی، ایک پتھر پر بیٹھ گیا اور آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا امنڈ آیا، میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے ایک حقیر اور میرے جیسی گناہگار مخلوق پر اتنا بڑا رحم و فضل فرمایا کہ زندگی ہی میں اپنے کو پہچنوا

---

[1] اس حالت کو سامنے رکھ کر ذرا ان آیات کو پڑھیے، ﴿ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ﴾ (١/ الفاتحہ:٤) ''فَفِرُّوْا اِلَی اللّٰہِ'' (٥١/ الذاریات: ٥٠)
﴿ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ ﴾ (٨/ الانفال:١٠)

کراپنی ربوبیت کا کرشمہ دکھلایا، میں نے اس سے نہایت الحاح کے ساتھ دعا کی کہ میری زندگی تمام تراس کی رضا جوئی میں بسر ہو جواب ملا کہ بس تو روز بروز عاجزی و مسکنت کے ساتھ میری رضا پر چلنے کی کوشش کر اور اس کا فیصلہ مجھ خدائے قادر و توانا پر چھوڑ دے کہ اس سے بھی زیادہ شعور کے ساتھ تو مشاہدۂ حق کے قابل ہوا ہے یا نہیں؟ یہ احساس و اثر اس قدر گہرا اور واضح تھا کہ میں نے اپنے دل سے سوال کیا کہ کیا موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر کچھ اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ دیکھا تھا اس قدر بیان کر دینا اور مناسب ہوگا کہ اس عالم وجد میں خدا کسی شکل و صورت اور رنگ و بو سے متصف نہ تھا، نہ میں اس کی موجودگی کی کوئی خاص جگہ محسوس کر رہا تھا۔'' (صفحہ ۶۶۔۶۷)

جیمس نے تو اس قسم کے تجربات کا ایک انبار لگا دیا ہے لیکن ہم ایک طویل بیان کے دو جملوں کے اقتباس پر بس کرتے ہیں قیاس اور اخذ نتائج کے لیے امید ہے کہ یہی تین چار مثالیں کافی ہوں گی امراض دماغی کے ایک ماہر ڈاکٹر نے خود اپنا تجربہ لکھا ہے :

''اس کے بعد مجھ پر ایک انتہائی فرحت و انبساط کی کیفیت طاری ہوئی جس کے ساتھ ہی ایک ایسی اشراقی یا انشراحی حالت پیدا ہوئی جس کا بیان ناممکن ہے اس حالت میں دوسری چیزوں کے ساتھ اس بات کا بھی مجھ کو صرف یقین نہیں بلکہ عینی مشاہدہ ہوا کہ کائنات بے جان مادہ سے نہیں بنی ہے بلکہ ایک ذی حیات وجود ہے مجھ کو خود اپنے اندر ایک ابدی حیات کا احساس ہوا یہ کیفیت صرف چند سیکنڈ تک رہی لیکن اس کی یاد اور حقیقت کا احساس آج چوتھائی صدی گزر جانے پر بھی اسی طرح تازہ ہے۔'' (صفحہ ۳۹۹)

☆ ان مثالوں کو سامنے رکھ کر اب یہ حدیث پڑھو :

ایک دفعہ صبح کی نماز کے لیے آپ ﷺ دیر سے برآمد ہوئے نماز کے بعد لوگوں کو اشارہ کیا کہ اپنی اپنی جگہ ٹھہر جائیں پھر فرمایا: ''آج شب کو میں نے اتنی رکعتیں پڑھیں جتنی کہ میرے لیے مقدر تھیں تو نماز ہی میں کچھ اونگھ سا گیا، (نَعِسْتُ) اس حالت میں میں نے دیکھا کہ جلال الٰہی بے پردہ میرے سامنے ہوا۔ خطاب ہوا اے محمد (ﷺ)! تم جانتے ہو کہ فرشتگان خاص کس امر میں گفتگو کر رہے ہیں؟ عرض کی نہیں اے میرے رب! میں نہیں جانتا۔ اس نے اپنا ہاتھ دونوں مونڈھوں کے بیچ میں میری پیٹھ پر رکھا، جس کی ٹھنڈک میرے سینہ تک پہنچ گئی اور آسمان و زمین کی تمام چیزیں نگاہوں کے سامنے جلوہ گر ہو گئیں، سوال ہوا یا محمد (ﷺ)! تم جانتے ہو کہ فرشتگان خاص کس امر میں گفتگو کر رہے ہیں، عرض کی، ہاں اے میرے رب......'' الخ [1]

[1] پوری حدیث کے لیے دیکھو آگے ذکر مشاہدات۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۵، ص: ۲۴۳۔

اس میں کلام نہیں مکالمہ طور اور ماجرائے اسراء (معراج) کا مقام مذکورۂ بالا مثالوں سے اتنا ہی بلند ہے جتنا کہ انبیا علیہم السلام کا مقام انسانوں سے بلند ہونا چاہیے تاہم "عالمے هست که ایں عالم ازاں تمثالیے است" ان مثالوں میں ایک نہ ایک حد تک اس مقام برتر کا دھندلا سا تصور پیدا کیا جا سکتا ہے اور ہمارے مدعا کے لیے اسی قدر کافی ہے۔

تین مقدمے

یقین معجزات کے لیے ہماری منطق استدلال کے تین مقدمات تھے، جن میں سے دو کو تو ہیوم اور ہکسلے نے بہ ترتیب پورا کر دیا تھا، تیسرا مختلف اصناف استبعاد کے شواہد سے پورا ہو جاتا ہے، ان مقدمات ثلثہ کا خلاصہ یہ ہے:

① معجزات بذات خود کوئی ناقابل تصور یا ناممکن الوقوع شے نہیں ہیں۔ (ہیوم)

② زیادہ سے زیادہ ان کو "انتہائی حیرت انگیز" یا "انتہائی مستبعد" واقعات سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، اس لیے (الف) انسانی شہادت کی بنا پر ان کو قبول کیا جا سکتا ہے (ب) البتہ "انتہائی حیرت انگیزی" و استبعاد کی وجہ سے بظاہر ان کو قبول کرنے کے لیے جو شہادت مطلوب ہے، اس کو بھی ہر لحاظ سے انتہائی حد تک قابل اعتبار ہونا چاہیے (ہکسلے)

③ لیکن معجزات میں جس قسم کا استبعاد یا حیرت انگیزی پائی جاتی ہے اس کے شواہد چونکہ عام انسانوں کے مادی، نفسی یا روحانی تجربات میں بھی ملتے رہتے ہیں جن کے قبول و یقین کے لیے لوگ کوئی غیر معمولی شہادت طلب نہیں کرتے۔

لہٰذا یقین معجزات کے لیے بھی کسی غیر معمولی شہادت کی ضرورت نہیں۔

اصلی بحث یقین کی ہے

لیکن سوال یہ ہے کہ ہیوم و ہکسلے کی ناقص منطق سے اگر کوئی شخص گمراہ ہو گیا تھا تو کیا وہ اس منطق کا صرف تیسرا مقدمہ پورا کر دینے سے راہ راست پر آجائے گا اور کیا اب صفحات بالا کے پڑھ لینے سے معجزہ کا کوئی منکر نہ رہ جائے گا مجھ کو تو اندیشہ ہے کہ محض یہ سیاہ نقوش ایک منکر کو بھی مومن نہ بنا سکیں گے آپ کہیں گے کہ شاید استدلال ہی بودا ہے لیکن کیا دنیا کا کوئی قوی سے قوی استدلال بھی، نفس اپنی قوت استدلال کی بنا پر کسی کو معجزات کا یقین دلا سکتا ہے؟ ارسطو، مل اور ہیگل [1] جو منطق کے "اقانیم ثلثہ" ہیں کیا یہ سب کے سب مل کر بھی کوئی ایسی منطق یا عقلی استدلال پیدا کر سکتے تھے جو بذات خود ہر عام و خاص کو معجزات کا یقین دلا دیتا؟

ان سوالات کا جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو پھر معجزات کے متعلق خالی امکان وقوع اور شہادت وقوع کی بحث چنداں اہم نہیں رہ جاتی بلکہ اصلی بحث یقین کی ماہیت اور اس کے علل و اسباب کی ہے۔

[1] ارسطو اور مل علی الترتیب قیاسی و استقرائی منطق کے امام ہیں، جن کا تعلق اضافی حقائق و علوم سے ہے لیکن ہیگل (جرمنی) نے منطق کے زمین و آسمان ہی بدل دیے یعنی منطق کو مابعد الطبیعات بنا کر اس کے ذریعہ حقیقۃ مطلقہ کا سراغ لگانا چاہا ہے

یقینِ معجزات

نفسِ یقین کی حقیقت و ماہیت

یقین کی فلسفیانہ ماہیت پر کوئی مفصل و مستقل بحث چھیڑنا مقصود نہیں ہے، نہ یہاں چنداں اس کی ضرورت ہے، ہر شخص جانتا ہے کہ نفس تصور اور اس کے یقین میں کیا فرق ہے۔ یہاں ہمارے مقصد کے لیے صرف اتنا جان لینا چاہیے کہ ریاضی کے تصورات مجردہ [1] کی طرح امور واقعیہ (واقعات) کے متعلق ہمارا یقین نا قابل تغیر یا اطلاقی نوعیت کا نہیں ہوتا بلکہ لذت والم، حیرت و استعجاب، رنج وغم، محبت و نفرت ارادہ و خواہش وغیرہ دیگر کیفیات نفسی کی طرح محض ایک اضافی و تغیر پذیر ذہنی کیفیت کی حیثیت رکھتا ہے، جس طرح کسی واقعہ سے ہر شخص کے نفس میں کیفیات بالا کا پیدا ہونا یا یکساں طور پر پیدا ہونا ضروری نہیں ہے، اسی طرح ہر آدمی کے دل میں اس واقعہ کا یقین یا ایک ہی معنی میں یقین پیدا ہونا بھی لازمی نہیں۔ تاریخ کی بعض کتابوں میں ایک روایت مذکور ہے کہ اسکندریہ کا کتب خانہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے اس بیدردی کے ساتھ جلایا گیا کہ چھ مہینہ تک مصر کے حماموں کا ایندھن بنا رہا، علم کا فدائی اور حکمت و فلسفہ کا عاشق اس روایت کو پڑھ کر کف افسوس ملنے لگتا ہے اور اس کے دل میں نفرت و غصہ کا جذبہ پیدا ہوتا ہے بخلاف اس کے اسی روایت کو اگر ایک سپاہی پڑھتا ہے تو نہ وہ اپنے اندر کوئی نفرت و غصہ پاتا ہے اور نہ اتنا افسوس کرتا ہے اس کے نزدیک قلعہ انٹورپ کی بربادی کتب خانہ اسکندریہ کی تباہی سے کہیں زیادہ ماتم انگیز ہے لیکن یہی روایت اگر کسی صوفی عارف کی نظر سے گزرے تو رنج و غصہ کی جگہ اس کو انتہائی مسرت ہو سکتی ہے کہ ''حجاب اکبر'' کا یہ ''دفتر بے معنی'' اسی سلوک کا مستحق تھا۔ ''صد کتاب و صد ورق در نار کن''

تم نے دیکھا کہ ایک ہی چیز سے مختلف اشخاص پر مختلف بلکہ متضاد جذبات طاری ہوئے۔ جذبات کی طرح یقین و عدم یقین کے بھی متضاد اثرات طاری ہوئے ہیں جن اہل یورپ کے دل میں مسلمانوں کی وحشت و جہالت کا تعصب راسخ تھا اور جن کی طبیعت تنقیص اسلام کی ہر شہادت کو قبول کرنے پر حریص تھی انہوں نے نہ صرف شہادت کی تحقیق و تفتیش کے بغیر اس خبر کا یقین کر لیا بلکہ اس کی روایتی و درایتی تضعیف کے بعد بھی ان کا یقین قائم رہا لیکن انہی اہل یورپ میں جو گروہ اس درجہ اسلام کے ساتھ عداوت نہیں رکھتا تھا کہ

[1] معجزات کا تعلق چونکہ تاریخ اور روایت کے واقعات سے ہے نہ کہ ریاضی کی مجردات سے، اس لیے ہم مجردات ریاضیہ کے علم و یقین کی جو نوعیت ہے اس کی بحث میں نہیں پڑنا چاہتے ورنہ دراصل یہ یقین بھی کسی اطلاقی اور اٹل یا نا قابل تغیر بنیاد پر قائم نہیں ہے جس کا انکار نہ ہو سکے بلکہ مل جیسے منطقی و فلسفی کا تو یہ دعویٰ ہے کہ ریاضیات کی مفروضہ قطعیت محض ایک وہم و فریب ہے جس طرح براق کی اس تعریف سے کہ وہ نام ہے آدھے گھوڑے اور آدھے انسان کا یہ نہیں لازم آتا کہ براق کا وجود یقینی اور واقعی ہے اسی طرح دائرہ کی اس تعریف سے کہ وہ نام ہے ایسی شکل کا جس کے نصف قطر تمام برابر ہیں یہ لازم نہیں آتا کہ واقعاً ایسا کوئی دائرہ موجود بھی ہے انتہا یہ کہ مل کے نزدیک اس میں بھی کوئی تناقض نہیں کہ دو اور تین مل کر چھ ہو سکتے ہیں۔

اس کے جذبۂ انصاف پسندی کو تعصب نے مغلوب کرلیا ہو، اس کو تحقیق کے بعد یہ روایت ہی سرے سے بے اصل و مضحکہ خیز نظر آئی اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ایک مسلمان مؤرخ جو کتب خانہ اسکندریہ کے جلانے کو دامن اسلام پر وحشت و جہالت کا ایک بدنما داغ سمجھتا تھا اور کسی طرح اس کا محبت اسلام سے لبریز دل اس کے قبول کرنے پر آمادہ نہ تھا اس کی تحقیقات نے اس روایت کو نہ صرف دشمنوں کا صریح افترا و بہتان قرار دیا بلکہ الٹے خود ان ہی افترا پرداز دشمنوں کو اصلی مجرم ثابت کر دکھایا۔

> ؎ ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا۔ [1]

فلسفیانہ نظریات پر یقین کا حال

یقین کی یہ جذباتی و اضافی حیثیت صرف واقعات تاریخ و روایت ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ فلسفہ و حکمت (سائنس) کے نظریات و نظامات کا یقین بھی یہی حیثیت رکھتا ہے پروفیسر جیمس نے ''ارادہ یقین'' اور ''جذبہ عقل پرستی'' [2] کے عنوان سے دو نہایت دلچسپ مضمون لکھے ہیں ان میں اس نے دکھایا ہے کہ ہمارا یقین کس قدر خواہش و ارادہ یا جذبات کی اضافی کیفیات کا پابند ہے اور سائنس و فلسفہ کی بنیاد جس عقل پرستی پر ہے وہ بھی دراصل مذہب پرستی یا عجائب پرستی کی نوعیت کا ایک جذبہ ہے۔

جذبہ یکسانیت

ایک فلسفی یا حکیم فلسفیانہ یا حکیمانہ فکر و تفحص میں کیوں اپنا سر کھپاتا ہے؟ زیادہ تر اس ''خواہش'' کی بنا پر کہ عالم میں جو ایک تشتت و پریشانی کثرت و پراگندگی نظر آتی ہے، کوئی ایسا اصول یا قانون دریافت ہو جائے جو اس کثرت و پراگندگی کو وحدت و یکسانی کے رشتہ سے مربوط و مسلسل کردے، اس قانون و اصول کے عقلی یا صحیح ہونے کا کیا معیار ہے؟ صرف یہی کہ اس کے قبول و باور کرنے سے ہمارے دماغ کی حیرانی و پریشانی رفع ہو جاتی ہے اور کارخانہ فطرت میں یکسانی و ہمواری کی موجودگی کا ایک خوش گوار و لذیذ احساس یا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

یہ لذت کہ پراگندہ واقعات دراصل کسی ایک ہی مخفی واقعہ کے مظاہر ہیں، اسی طرح کی لذت ہے جو کسی گویئے کو پراگندہ آوازوں کے ایک نغمہ یا راگ میں منتظم کردینے سے حاصل ہوتی ہے کون شخص اس امر کی دلفریبی کو نہ محسوس کرے گا کہ سیب کو زمین کے ساتھ وہی تعلق ہے جو چاند کو اس کے ساتھ ہے، غبارہ اسی قانون کے ماتحت اوپر چڑھتا ہے جس کے ماتحت پتھر نیچے گرتا ہے، اس یقین میں کس کے لیے لذت نہ ہوگی کہ پہاڑ پر

---

[1] دیکھو رسائل شبلی، مضمون کتب خانہ اسکندریہ، اب یہ مضمون مقالات شبلی حصہ ششم میں شامل ہے، دیکھیے ص: ۱۵۱۔

[2] انگریزی میں ان دونوں مضامین کے نام علی الترتیب Will to believe اور Sentiment of Rationalism ہے جو دیگر مضامین کے ساتھ شائع ہوئے ہیں افسوس کہ یہاں ہم بہ خوف طوالت ان سے زیادہ استفادہ نہیں کرسکتے لیکن جو انگریزی دان اصحاب یقین کی حقیقت و نوعیت کو اچھی طرح سمجھنا چاہتے ہیں ان کو یہ دونوں مضمون ضرور پڑھنے چاہیے۔

چڑھنے یا درخت کے کاٹنے میں جس طاقت سے ہم کام لیتے ہیں وہ وہی ہے جو آفتاب کی ان کرنوں میں پائی جاتی ہے جو اس غلہ کو پکاتی ہیں جس کا صبح ہم نے ناشتہ کیا ہے۔ [1] نظم و یکسانی کی لذت کے لیے انسان کی فطرت جس درجہ حریص ہے اسی کو ملحوظ رکھ کر ہمارے زمانہ کے ایک زبردست معلم فلسفہ پروفیسر رو ائس نے تنبیہ کی ہے کہ ''جہاں کہیں بھی ہم کو کسی قانون فطرت کی وحدت و یکسانی کا یقین محسوس ہو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس احساس وحدت کا بڑا حصہ اصل فطرت کی واقعی وحدت کے بجائے اس ناقابل استیصال جذبہ پر مبنی ہو سکتا ہے جو وحدت و نظم کی پسندیدگی کے لیے خود ہمارے نفوس کے اندر موجود ہے۔ [2] یہی تعصب تھا جس کی بنا پر ایک بڑے سائنس دان نے جیمس سے کہا کہ کلام نفسی کا دعویٰ اگر صحیح بھی ہو تو بھی تمام اہل سائنس کو اس کے دبانے اور چھپانے پر ایکا کر لینا چاہیے کیونکہ اس سے فطرت کی یکسانی اور نیز بہت سی ایسی چیزوں کی تکذیب ہوتی ہے جن کے مانے بغیر سائنس دان اپنا کام نہیں چلا سکتے۔ اس قول کو نقل کر کے جیمس نے لکھا ہے کہ اگر یہی سائنس دان حضرات کلام نفسی کو سائنس کے حق میں مفید مطلب پاتے تو اس سے اغماض کے بجائے نہ صرف اس کی شہادت کی تحقیق پر آمادہ ہوتے بلکہ یہی شہادت یقین کے لیے کافی ہوتی [3] اب تم ہی فیصلہ کرو کہ کیا ''عقل پرست سائنس'' کے تعصّبات ''وہم پرست مذہب'' کے تعصبات سے کچھ بھی کم یا مختلف ہیں؟ اور کیا اہل سائنس کا انکار معجزات وحدت و یکسانی کے مذکورۂ بالا تعصب کا نتیجہ نہیں ہے؟

نظریات فلسفہ کا یقین

خیر اہل سائنس یا حکما کو تو خود ہی بڑی حد تک اس امر کا اعتراف ہے کہ سائنس کے نظریات و نوامیس زیادہ تر اضافی و مفروضی حیثیت رکھتے ہیں لیکن فلاسفہ یا متالہین، جو حقائق عالیہ اور صداقت مطلقہ کے چہرہ سے پردہ اٹھانے کا دعویٰ رکھتے ہیں ان کے اصول و نظریات پر تو انسانی جذبات یا ذاتی میلانات کا سایہ تک نہ پڑنا چاہیے تھا مگر یہ کس قدر حسرت انگیز منظر ہے کہ سب سے زیادہ فلسفہ ہی کے مذاہب و نظامات شخصی جذبات وخواہشات کا عکس نظر آتے ہیں! بلکہ سچ یہ ہے کہ جتنے فلاسفہ اتنے ہی مذاہب، حتیٰ کہ ایک عام دلچسپ تقسیم کی رو سے فلاسفہ کی دو قسمیں یہ قرار پائی ہیں کہ رونے والے (بکائیہ) اور ہنسنے والے (ضحکیہ) فلاسفہ جن کو زیادہ سنجیدہ اصطلاح میں علی الترتیب ''شریہ'' اور ''خیریہ'' [4] کہا جاتا ہے، یا اس کو ''یاسیہ'' اور ''رجائیہ'' بھی کہہ سکتے ہو، اگر نفسیاتی تحلیل کی جائے تو اس اختلاف کا مبنی رونے اور ہنسنے، یاس و رجا امید و بیم وغیرہ کے ذاتی جذبات و احوال ہی ثابت ہوں گے۔ دور جدید کا ایک زبردست فلسفی شوپنہار جس کا شمار فلسفہ کے اکابر ائمہ میں ہے اور جو فلاسفہ کی رونی جماعت کا ایک نامور فرد ہے اس کا سارا فلسفہ ہی یہ ہے کہ صداقت مطلقہ صرف ارادہ یا

[1] جیمس کا مضمون ''جذبہ عقلیت'' Sentiment of Rationality [2] دیکھو اصول نفسیات، جلد ۲، ص: ۳۱۶ بحوالہ The Religious Aspect of Philosophy (فلسفہ کا مذہبی پہلو) مصنفہ پروفیسر روائس۔

[3] ارادہ یقین، ص: ۱۰ طبع جدید: ۱۹۱۷ء۔ [4] انگریزی میں ان کا لقب علی الترتیب Pessimists اور Optimists ہے۔

خواہش ہے نہ کہ عقل یا فکر اور یہ ارادہ چونکہ ''بے عقل'' ہے، اس لیے اس کی کوئی غایت نہیں دنیا میں کوئی فلاح و سعادت نہیں بلکہ یہ تمام تر بے مقصد ارادہ کا ایک کھلونا یا تماشا ہے، خارجی عالم اسی بے عقل و بے مقصد ارادہ کی محض ایک تصویر ہے۔ کرۂ عقل کی سب سے اونچی سطح پر بسنے والے ان فلاسفہ کے باہمی اختلافات بلکہ تضادِ آرا کا یہ عالم ہے کہ جتنے منہ اتنی باتیں، کوئی کہتا ہے کہ دنیا تمام تر عقل پر مبنی ہے، کوئی مدعی ہے کہ اس کا وجود سراپا بے عقلی ہے، کوئی شخصی خدا کا یقین رکھتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ شخصی خدا نا قابلِ تصور ہے، کسی کو ذہن سے باہر خارجی دنیا کا اذعان ہے، کوئی ثابت کرتا ہے کہ خارجی دنیا کا وجود محض وہم و فریب ہے کسی کی زبان پر ہے کہ ایک مستقل و قائم بالذات روح ہے کوئی پکارتا ہے کہ نفس کے تغیر پذیر احوال کے سوا کچھ نہیں ہے، کسی کا دعویٰ ہے کہ سلسلہ علل لامتناہی ہے، کوئی مانتا ہے کہ نہیں ایک علۃ العلل ہے، کوئی انسان کو مجبور محض پاتا ہے اور کوئی مختار کوئی جسد و عالم کی وحدت کا قائل ہے اور کوئی کثرت کا بظاہر مہمل سے مہمل بات بھی تم کو ایسی نہ ملے گی جس کا باور کرنے والا عاقل سے عاقل فلسفی نہ ملتا ہو۔

عقل انسانی کی انہی حیرانیوں کو دیکھ کر آدمی پکار اٹھتا ہے کہ کسی چیز کو حق کہنے کے صرف یہ معنی ہیں کہ جب تم اس کو حق یقین کرو تو حق ہے ورنہ نہیں [1] اور خصوصاً موجودہ زمانہ میں تو اس سرعت و کثرت کے ساتھ نظریات ابل پڑے ہیں کہ ایک کو دوسرے سے زیادہ واقعی خیال کرنا قریباً ناممکن ہو گیا ہے، اس قدر مختلف ہندسات، اس قدر مختلف منطقیں اس قدر مختلف طبیعاتی و کیمیاوی مفروضات پیدا ہو گئے ہیں کہ صحیح سے صحیح اصول کی نسبت بھی گمان ہوتا ہے کہ وہ کسی واقعیت کا پرتو ہونے کے بجائے محض انسانی ذہن کی ایجاد ہے۔ [2]

مشاہدات پر یقین کی حقیقت و ماہیت

تم سمجھتے ہو گے، کہ علم و یقین کی یہ اضافی یا ذہنی نوعیت زیادہ سے زیادہ اصول و نظریات تک محدود ہو گی، باقی مشاہدات و محسوسات جو ان اصول و نظریات کا آخری مرجع ہیں وہ تو بہرحال کوئی اضافی شے نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کے متعلق زید و عمر کی نوعیت یقین میں کوئی تفاوت ناممکن ہے لیکن تمہارا یہ ''ناممکن'' نہ صرف ''ممکن'' بلکہ واقعہ ہے۔

دن رات کے ان معمولی تجربات کا تو ذکر ہی کیا کہ ایک چیز جو ایک آدمی کو خوبصورت معلوم ہوتی ہے دوسرے کو بدصورت نظر آتی ہے، ایک کو خوش مزہ محسوس ہوتی ہے دوسرے کو بدمزہ، آلات حس و مشاہدہ کی ساری دنیا عبارت ہے، رنگ و بو، آواز و مزہ، سردی و گرمی، شکل و صورت، طول و عرض، (امتداد) پستی و بلندی، دوری و نزدیکی سے لیکن کیا ان میں سے ایک شے کے متعلق بھی عامی، حکیم اور فلسفی سب کا یقین یکساں نوعیت رکھتا ہے۔ عامی آدمی اپنے حواس کی مذکورہ بالا ساری دنیا کو ٹھوس خارجی حقائق یقین کرتا ہے لیکن حکیم یا

[1] ارادۂ یقین Theories of Knowledge (نظریات علم) از پروفیسر واکر ص: ۴۳۲ بحوالہ۔

[2] The Meaning of Truth (معنی صداقت) ص ۵۸۔

سائنس دان کے نزدیک ان میں سے کسی ایک کا بھی خارج میں کوئی وجود نہیں اور آج کل کے سائنس دان تو بار بار اس حقیقت کو دہراتے رہتے ہیں کہ اشیاء دراصل وہ یا ویسی نہیں جیسی کہ ہمارے حواس کو محسوس ہوتی ہیں۔'' (ماڈرن بلیف صفحہ ۵۶) ذہن یا احساس سے باہر نہ کوئی رنگ ہے نہ بو، نہ کوئی آواز ہے نہ مزہ، لیکن حکمت کو چونکہ اپنی تحقیقات میں قدم قدم پر مادہ وقوت کے الفاظ دہرانا پڑتے ہیں اس لیے خالص حکیم کے دل میں مادہ پرستی کا ایک ایسا جذبہ و میلان پیدا ہوجاتا ہے کہ باوجود اس اقرار کے کہ ''مادہ'' کسی نامعلوم شے کا نام ہے'' پھر بھی کسی نہ کسی مفہوم میں اس کے وجود خارجی کے یقین پر اپنے کو مجبور پاتا ہے بخلاف اس فلسفہ یا مابعد الطبیعیات کا عالم چونکہ حکیمانہ تعصبات سے بالاتر ہے، لہٰذا بے جھجک سرے سے وجود مادہ ہی کا انکار کردیتا ہے، اس کے نزدیک بس جو کچھ وجود ہے وہ ذہن یا نفس کا، مگر یقین کی گردن دلائل سے کب جھکتی ہے ممکن ہے کہ چند لمحات کے لیے حکیم یا فلسفی عالم رنگ و بو یا مادہ کے وجود فی الخارج کے خلاف یقین پر قائم رہ سکتا ہو، لیکن بالآخر اس کو جبلت کی حکومت قاہرہ اسی نقطہ پر واپس لاتی ہے جہاں سے غور وفکر نے اس کو منحرف کیا تھا اور شب وروز کی زندگی میں وہ عالم رنگ و بو کے وجود خارجی پر اسی طرح اذعان رکھتا ہے جس طرح ایک عامی آدمی۔ غرض یقین اپنی ماہیت کی رو سے تمام تر صرف ایک نفسی میلان ہے جو نہ علم کا پابند ہے، نہ جہل کا، جس کا انحصار نہ عقل پر ہے، نہ بے عقلی پر، جو نہ سچ پر موقوف ہے، نہ جھوٹ پر، وہ فلسفہ، حکمت، علم وعقل سب چیزوں سے پیدا ہوسکتا ہے اور کسی سے بھی نہیں پیدا ہوسکتا اور جب پیدا ہونا چاہتا ہے تو کلیفرڈ کے اس مشورہ کا منہ نہیں دیکھتا کہ ''جھوٹ پر یقین کرنے سے بہتر ہے کہ ہمیشہ یقین کے بغیر رہو۔'' کیا عجیب بات ہے کہ یقین کی اس ماہیت پر بھی کہ وہ دلائل کا کوئی منطقی نتیجہ نہیں بلکہ محض ایک ذہنی میلان ہے خود اس شخص کی نکتہ رس نظر پڑی تھی جو یقین معجزات کا سب سے بڑا مخالف ہے چنانچہ ''ارسٹاٹیلین'' سوسائٹی کے ایک ممبر براڈ نامی نے ۳-۴ سال ہوئے ہیوم کے نظریہ معجزات پر ایک مضمون کے ضمن میں خود ہیوم کے اصول کی بنا پر لکھا ہے: [1]

''ہیوم کے یقین معجزہ سے اس لیے انکار ہے کہ معجزہ گزشتہ مستمر تجربہ کے منافی ہوتا ہے مثلاً: گزشتہ تجربہ یہ ہے کہ الف کے بعد ہمیشہ ب ظاہر ہوتا رہا ہے جس سے ہمارے اندر ایک قوی یقین پیدا ہوجاتا ہے کہ آئندہ بھی ''ب'' ہمیشہ ''الف'' کے تابع ہوگا، ایک مذہبی آدمی معجزہ پر اس لیے یقین کرتا ہے کہ اس کے اندر عجائب پرستی اور ایسی چیزوں کے یقین کا ایک فطری میلان موجود ہے، جن سے مذہب کی تائید ہوتی ہو دونوں صورتوں میں یقین کا نفسیاتی سبب ظاہر ہے، ہیوم کا عدم یقین اس کے اس فطری میلان پر مبنی ہے کہ جو کچھ پہلے ہوا ہے وہی آئندہ بھی ہوگا اور مذہبی آدمی کا یقین اس کی عجائب پرستی اور ایسی چیزوں کے قبول کرنے کے

[1] دیکھو ارسٹاٹیلین سوسائٹی (جمعیۃ ارسطاطالیسیہ) لندن کی روداد بابت ۱۷-۱۹۱۶ء ص: ۹۲۔

فطری میلان پر مبنی ہے جن سے مذہب کی تائید ہوتی ہو لیکن خود ہیوم کو تسلیم ہے کہ گزشتہ مستمر تجربہ سے آئندہ پر حکم لگانے کا ہم کو کوئی منطقی حق حاصل نہیں لہٰذا مذہبی آدمی کا یقین معجزات پر اور ہیوم کا یقین قوانین فطرت پر (جس کا نتیجہ معجزات کا عدم یقین ہے) منطق کی نگاہ میں دونوں بالکل یکساں حیثیت رکھتے ہیں دونوں صورتوں میں یقین نفسیاتی علت پر مبنی ہے اور کسی صورت میں بھی کوئی منطقی علت ہیوم نہیں پیش کر سکتا۔''

جب یہ معلوم ہو چکا ہے کہ یقین کی ماہیت صرف ایک طرح کا غیر منطقی میلان نفسی ہے تو اس کے اسباب کی جستجو منطق و فلسفہ کے دلائل میں بے سود ہے، منطقی یا فلسفیانہ دلائل زیادہ سے زیادہ میلان یقین کی تقویت و تضعیف کا کام دے سکتے ہیں لیکن خود اس میلان کی تخلیق ان کے بس سے باہر ہے یہ میلان بذات خود ایک نفسی حقیقت ہے لہٰذا اس کے اسباب تخلیق کا سراغ نفسیات (علم النفس) ہی کے اوراق میں مل سکتا ہے کم و بیش تمام علمائے نفسیات نے یقین کی ماہیت و اسباب پر بحث کی ہے لیکن ہمارے لیے یہاں علم النفس عام تفصیل طلب طرز بحث سے ہٹ کر کسی قدر مختلف اور مختصر راہ زیادہ مناسب ہوگی۔

یقین کی نفسیات: ایک بحث

البتہ بنیاد بحث کے لیے استناداً کسی معتبر شہادت کا سامنے رکھنا ضروری ہے، جس کے لیے عہد حاضر میں امریکہ کے سب سے بڑے استاد نفسیات پروفیسر ولیم جیمس کا نام مستند ترین ضمانت ہو سکتا ہے، اس لیے پہلے ہم پروفیسر موصوف کی کتاب ''اصول نفسیات'' کے باب احساس حقیقت (جلد دوم) سے اسباب یقین کے متعلق چند اصولی باتیں بلفظہٖ نقل کرتے ہیں :

① ''معالجات (تدابیر شفا طلبی) کے بارے میں انسان کی زود اعتقادی اسی قسم کے نفسی اسباب یعنی جذباتی (احوال) پر مبنی ہے، حتی کہ جب کوئی محبوب و عزیز شخص خطرناک بیماری یا تکلیف میں مبتلا ہو تو ناگوار سے ناگوار شے بھی زود اعتقادی کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتی (خصوصاً عورتوں کے لیے) جس شے میں کچھ بھی امید و شفا ہو اس کے کرنے سے تسلی حاصل ہوتی ہے لہٰذا جو علاج بھی ایسی حالت میں تجویز کیا جائے وہ آتش گیر مادہ کے لیے چنگاری کا کام دیتا ہے، طبیعت فوراً اس پر عمل کے لیے آمادہ ہو جاتی ہے، آدمی اس علاج کا سامان کرتا ہے اور کم از کم ایک دن کے لیے اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ خطرہ جاتا رہا لہٰذا معلوم ہوا کہ یقین آفرینی کے بڑے اسباب امید و بیم وغیرہ کے جذبات ہیں جن کے احاطہ اقتدار میں ماضی مستقبل اور حال تینوں داخل ہیں۔'' [1]

[1] اصول نفسیات، ج ۲، ص: ۳۱۰، ۳۱۱۔

اس کے بعد دوسرے صفحہ پر ہے کہ :

② ''سب سے زیادہ یقین آفرین وہ نظریہ ہوتا ہے جو ہمارے محسوسات کی تشفی بخش توجیہ کے علاوہ ایسی چیزیں ہمارے سامنے پیش کرتا ہو جو سب سے زیادہ دلچسپ ہوں اور جو ہمارے حاسہ جمال پرستی اور جذباتی و عملی ضروریات کو سب سے زیادہ متاثر کرتی ہوں۔''

لیکن ہم کو یہاں نفسیات یقین کے متعلق اصل میں جس مختصر متن کی شرح کرنی ہے وہ یہ ہے کہ:

③ ''ارادہ (خواہش) اور یقین (جس کے معنی نفس اور اشیاء کے مابین ایک خاص تعلق کے ہیں) ایک ہی نفسیاتی واقعہ کے دو نام ہیں۔'' [1]

یقین کرنے کی خواہش و ضرورت

ارادہ اور یقین کے ایک ہونے کے معنی یہ ہیں کہ کسی چیز کے یقین کے لیے لازمی ہے کہ پہلے دل میں اس کے یقین کا ارادہ یا خواہش پیدا ہو یقین ایک قسم کی تشفی ہے جب تک اس کے لیے طلب و تشنگی نہ موجود ہو یہ نہیں حاصل ہوتا، پانی پینے اور اس سے سیراب ہونے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے پیاس لگے لیکن اکثر پیاس لگنا ہی پانی پی لینے کے لیے کافی نہیں ہوتا بلکہ شرط یہ ہے کہ اس کے پینے سے کوئی روکنے والا خیال موجود نہ ہو، مثلاً: پانی کا دشمن کے ہاتھ سے ملنا، اس کی ناپاکی کا شبہ یا کسی بیماری کے لیے اس کے مضر ہونے کا اندیشہ اسی طرح نفس پیاس کے علاوہ کبھی کبھی ترغیبات کی موجودگی بھی پانی پینے پر آمادہ کر دیتی ہے، مثلاً: گرمی کے موسم میں کسی دوست کے یہاں صفائی ونفاست کے ساتھ کوری کوری صراحیوں میں ٹھنڈا پانی رکھا ہو اور ان کے آس پاس لکھنؤ کے نازک کاغذی آبخورے چنے ہوں تو بے پیاس کے پیاس لگ آتی ہے۔

یقین اور عدم یقین کا بیان

یقین کی صورت میں ہم ان دونوں چیزوں کو علی الترتیب خواہش یقین کے موانع اور مؤیدات سے تعبیر کریں گے، جب کوئی چیز یقین واذعان کے لیے پیش کی جاتی ہے تو خواہش اور اس کے موانع ومؤیدات میں باہم ایک نفسی معرکہ آرائی ہوتی ہے اور یقین یا عدم یقین کا فیصلہ اس معرکہ آرائی کے آخری نتیجہ پر منحصر ہوتا ہے اگر خواہش یقین زیادہ قوی ہے تو وہ بلا مؤیدات کی اعانت کے موانع پر غالب آ جاتی ہے اگر موانع زیادہ قوی ہیں تو وہ خواہش کو مغلوب کر دیتے ہیں اگر موانع سرے سے نہیں موجود ہیں تو تنہا خواہش کافی ہو سکتی ہے یا اگر موانع بہت ہی معمولی درجہ کے ہیں تو ضعیف سے ضعیف خواہش بھی اپنے مؤیدات کی مدد سے ان کو زیر کر لے گی۔ عقلی یا منطقی دلائل کو زیادہ سے زیادہ انہی موانع ومؤیدات کی صف میں جگہ مل سکتی ہے لیکن اصل یہ ہے کہ اس معرکہ کے تینوں (خواہش) موانع اور مؤیدات پہلوانوں کا اصلی حربہ جذبات ہی ہوتے ہیں۔

اب اوپر اقتباس اول میں جیمس نے جو مثال دی ہے، اس کو سامنے رکھ کر دیکھو کہ یقین کے پیدا کرنے

[1] ایضاً ص: ۳۲۱۔

میں خواہش و ارادہ کو کیا دخل ہے اور مؤیدات و موانع کا اس پر کیا اثر پڑتا ہے؟

فرض کرو کہ زید کے گھر میں ایک شخص مہینوں سے مریض پڑا ہے، طبی علاج کوئی کارگر نہیں ہوتا، ایک دوست آ کر کہتا ہے کہ شہر میں ایک متقی پرہیزگار اور بے طمع بزرگ ہیں جن کی دعا سے بہتوں کو فائدہ ہوا ہے تم بھی انہی کی طرف کیوں نہ رجوع کرو۔ ظاہر ہے کہ زید کے دل میں اس مریض کے لیے شفا طلبی کی خواہش موجود ہے، اب اگر اس کو بزرگوں سے بدعقیدگی (مانع) نہیں ہے، تو بے تکلف دوست کے مشورہ پر عمل کے لیے آمادہ ہو جائے گا اور طبیعت میں کم از کم کچھ دیر کے لیے شفا کی ایک امید بندھ جائے گی، جس کا نام میلان یقین ہے، اب بزرگ موصوف کے پاس پہنچ کر وہ دیکھتا ہے، کہ اہل حاجت کا میلہ لگا ہوا ہے، پھر ان کے اتقا اور بے لوثی کی کچھ مثالیں آنکھ کے سامنے آتی ہیں، لازماً ان چیزوں سے زید کے میلان یقین کی اور تائید و تقویت ہوتی ہے۔ لیکن اگر اس کو بزرگوں سے بدعقیدگی ہے، وہ نہایت سخت ملحد و مادہ پرست ہے، تو ایسی حالت میں وہ دوست کے مشورہ پر عمل کرنے کی جگہ الٹے اس سے طرح طرح کی بحثیں کرنے پر آمادہ ہو جائے گا، دعا کے اثر کو قانون فطرت کے منافی بتائے گا، اس کی شہادت پر جرح کرے گا، جو لوگ ان بزرگ کے پاس حاجت لے کر جاتے ہیں، ان کو اوہام پرست کہے گا اور اپنے اندر کوئی میلانِ یقین نہ محسوس کرے گا۔

البتہ اگر یہی مادہ پرست و بدعقیدہ زید ایک دولت مند آدمی ہے، مریض خود اس کا اکلوتا، نوجوان اور ہونہار لڑکا ہے جو اس کی دولت کا تنہا وارث اور خاندان کا ایک ہی چراغ ہے۔ جس مرض میں اپنے بوڑھے باپ کی تمام امیدوں اور آرزوؤں کا یہ مرکز مبتلا ہے وہ نہایت خطرناک ہے، ڈاکٹر اور اطبا علاج کرتے کرتے تھک گئے اور جواب دے چکے ہیں ان حالات میں زید کی خواہش شفا طلبی جس درجہ قوی ہوگی، معلوم ہے، انہی مواقع کے لیے کہا جاتا ہے کہ مصیبت میں خدا یاد آتا ہے، اب زید کی ساری بدعقیدگی دھری رہ جائے گی، دوست کا مشورہ اس کی مایوسیوں میں امید کی ایک جھلک ثابت ہوگا، اس کی انتہائی طلب و تشنگی، الحاد و مادہ پرستی کے تمام دلائل و موانع پر غالب آئے گی اور وہ بلا بحث و حجت دوست کے ساتھ ہو جائے گا اور جتنی ہی زیادہ اس کی خواہش قوی ہوگی، اتنی ہی زیادہ امید و یقین کے ساتھ یہ ان بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوگا۔ لیکن اگر زید کے الحاد و بدعقیدگی کا جذبہ اتنا زبردست ہے کہ وہ اس کی قوی سے قوی خواہش شفا طلبی کو بھی زیر کر سکتا ہے تو بڑے سے بڑے بزرگ کی بزرگی بھی بیکار ثابت ہوگی اور دوست کی جانب سے دعا کی شفا بخشی کے دلائل و شواہد کا اگر انبار بھی لگا دیا جائے تو رائیگاں جائے گا ﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ﴾ (۲/ البقرۃ ۷) میں غالباً اسی حقیقت کی جانب اشارہ ہے ایمان و یقین کا حاسہ قلب ہے اگر وہ مختوم ہے تو پھر عقل انسانی کی کوئی منطق اس مختومیت کا ازالہ نہیں کر سکتی۔ ساحروں کے دل میں ذوق ایمان کی کچھ نہ کچھ تشنگی موجود تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دیکھ کر بے اختیار سربسجود ہو گئے اور پکار اٹھے ﴿اٰمَنَّا بِرَبِّ

هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى﴾(۲۰/ طٰہٰ:۷۰) لیکن کیا فرعون کے معاند ومختوم قلب پر بھی کوئی معجزہ اثر کر سکا؟ انبیائے کرام علیہم السلام خصوصاً سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ تمہارے سامنے ہے ''سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' میں ابتدائی قبول اسلام کے صفحات پڑھو ہر سطر ذوق ایمان وطلب یقین کے مذکورہ بالا نفسی حقائق سے معمور ملے گی۔

تاریخ و سیرتِ نبوی سے یقین کی نفسیات کی کچھ مثالیں

☆ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ وہ بت پرستی سے متنفر ہو چکے تھے اور حق کی تلاش میں تھے، انہوں نے اپنے بھائی (انیس) سے کہا کہ تم مکہ جاؤ اور دیکھو کہ یہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے، اس کی تعلیم وتلقین کیا ہے؟ انیس مکہ آئے اور واپس جا کر بیان کیا کہ وہ مکارم اخلاق کی تعلیم دیتا ہے اور جو کلام پیش کرتا ہے وہ شاعری سے الگ ہے۔ ان مؤیدات یقین کے بعد حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ خود مکہ گئے اور گو اس وقت مکہ کی سرزمین پر اعلان اسلام کے لیے نہایت خطرناک موانع موجود تھے، تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے بعد ذوقِ ایمان کی تشفی نے اتنا جوش پیدا کر دیا کہ عین حرم کے اندر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے نہایت بلند آہنگی سے اعلان کر کے کہا کہ (**اشهد ان لااله الا اللّٰه واشهد ان محمدا عبده ورسوله**) اس اعلان کی بدولت جان بچنی مشکل ہو گئی۔ [1]

☆ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص محبت تھی، آپ سے صرف دو تین برس بڑے تھے اور ساتھ کھیلے تھے وہ گو ابھی تک ایمان نہیں لائے تھے لیکن آپ کی ہر ادا کو محبت کی نظر سے دیکھتے تھے، دل میں نور حق موجود تھا، بالآخر ان بے رحمانہ ایذاؤں نے جو دشمنانِ اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچاتے تھے، اظہار اسلام پر بے تاب کر دیا۔ اظہار تو کر دیا لیکن گھر پر آئے تو متردد تھے کہ ''آبائی دین کو دفعتہً کیونکر چھوڑ دوں تمام دن سوچتے رہے آخر غور وفکر کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ دین حق یہی ہے۔'' [2]

☆ موانع یقین موجود تھے لیکن دین حق کے قبول اور اس کے داعی کی حمایت کا جذبہ ان موانع سے قوی تر تھا۔ قیصر روم کے پاس جس وقت داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک پہنچا اور قیصر وابوسفیان میں باہم جو گفتگو ہوئی اس کے بعد گو قیصر کے ضمیر میں ایمان واذعان کی روشنی پیدا ہوئی اور اس نے کہا کہ مجھ کو یہ ضرور خیال تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا میں اگر وہاں جا سکتا تو خود اس کے پاؤں دھوتا، لیکن قیصر نے ابوسفیان سے جو گفتگو کی تھی اس سے بطارقہ اور اہل دربار سخت برہم ہو چکے تھے نامۂ مبارک پڑھے جانے کے بعد اور بھی برہم ہوئے یہ حالت دیکھ کر قیصر نے اہل عرب کو دربار سے اٹھا دیا اور گو اس کے دل میں نور ایمان آ چکا تھا لیکن تاج وتخت کی تاریکی میں وہ روشنی بجھ کر رہ گئی۔ [3] تخت وتاج کی حرص دولت ایمان کی ترغیب سے قوی تر ثابت ہوئی۔

[1] یہ پورا واقعہ پڑھنے کے لائق ہے، دیکھو سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم طبع ہذا ج دوم ص:۴۲۴۔
[2] سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم طبع ہذا جلد اول ص:۱۲۸۔ [3] ایضاً پورا مکالمہ پڑھو۔

☆ خسرو پرویز کے تاریک دل میں قیصر روم کے برابر بھی ایمان کی روشنی نہ تھی، اس پر طرہ یہ ہوا کہ عجم کا طریقہ یہ تھا کہ سلاطین کو جو خطوط لکھتے تھے، ان میں عنوان پر پہلے بادشاہ کا نام ہوتا تھا، بخلاف اس کے نامہ مبارک پر پہلے خدا کا نام اور پھر عرب کے دستور کے موافق رسول اللہ ﷺ کا نام تھا، خسرو نے اس کو اپنی تحقیر سمجھا اور بولا کہ میرا غلام ہو کر مجھ کو یوں لکھتا ہے پھر نامۂ مبارک چاک کر ڈالا۔ لیکن چند روز کے بعد خود سلطنت عجم کے پرزے اڑے۔ [1] اسی قسم کے واقعات کی بنا پر مصنف سیرت نے اوائل دعوت میں اسلام لانے والوں اور ان کے مخالفین کے جو مشترک خصائص گنائے ہیں، ان سے بھی تمام تریقین کے انہی اصول و اسباب کی تائید ہوتی ہے، جو اوپر بیان ہوئے ہیں، تفصیل کے لیے خود سیرت (جلد اول) کی طرف رجوع کرنا چاہیے یہاں اختصار کے ساتھ صرف ضروری خلاصہ کا اعادہ کیا جاتا ہے۔

اسلام لانے والوں کے خصائص مشترک

① اکثر وہ لوگ اسلام لائے جو پہلے سے تلاشِ حق میں سرگرداں اور فطرۃً نیک طبع و پاکیزہ اخلاق تھے، حضرت ابوبکر، حضرت صہیب اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہم وغیرہ کا شمار انہی طالبانِ حق میں ہے۔ (خواہش یقین)

② بعض صحابہ ایسے تھے جو احناف کے تربیت یافتہ تھے، یعنی وہ لوگ جو زمانۂ اسلام سے پہلے بت پرستی ترک کر چکے تھے اور اپنے آپ کو حضرت ابراہیم کا پیرو کہتے تھے۔ (موانع یقین کی کمی)

③ یہ امر سب میں مشترک تھا کہ یہ لوگ قریش کے مناصب اعظم میں سے کوئی منصب نہیں رکھتے تھے بلکہ اکثر ایسے تھے، مثلاً: عمار، خباب، ابوفکیہ، صہیب رضی اللہ عنہم وغیرہ جن کو دولت و جاہ کے دربار میں جگہ بھی نہیں مل سکتی تھی (موانع کی کمی)

قریش سے بڑھ کر اسلام کا کون دشمن ہوگا لیکن ان کی دشمنی کے کیا اسباب تھے؟

① مکہ کی جو عزت تھی کعبہ کی وجہ سے تھی قریش ہمسایگان خدا بلکہ آل اللہ یعنی خاندان الٰہی کہلاتے تھے جس کی صرف یہ وجہ تھی کہ وہ کعبہ کے مجاور و کلید بردار تھے۔ عرب ایک مدت سے بت پرستی میں مبتلا تھا، خلیل بت شکن کی یادگار (کعبہ) تین سو ساٹھ معبودوں سے مزین تھی۔

اسلام کا اصلی فرض اس طلسم کو برباد کر دینا تھا لیکن اس کے ساتھ قریش کی عظمت و اقتدار اور عالم گیر اثر کا بھی خاتمہ تھا، اس لیے قریش نے شدت سے مخالفت کی اور ان میں جن لوگوں کو جس قدر زیادہ نقصان کا اندیشہ تھا، اسی قدر وہ مخالفت میں سرگرم تھے۔

② قریش کو عیسائیوں سے بالطبع نفرت تھی لیکن اسلام اور عیسائیت میں بہت سی باتیں مشترک تھیں سب سے بڑھ کر یہ کہ اس زمانہ میں اسلام کا قبلہ بیت المقدس تھا۔ ان اسباب سے قریش کو خیال ہوا کہ

[1] سیرۃ النبی ﷺ جلد اول۔

آنحضرت ﷺ عیسائیت قائم کرنا چاہتے ہیں۔

③ ایک بڑا سبب قبائل کی خاندانی رقابت تھی۔قریش میں دو قبیلے نہایت ممتاز اور حریف یکدگر تھے، بنوہاشم اور بنوامیہ۔آنحضرت ﷺ کی نبوت کو خاندان بنوامیہ اپنے رقیب (ہاشم) کی فتح خیال کرتے تھے، اس لیے سب سے زیادہ اسی قبیلہ نے آنحضرت ﷺ کی مخالفت کی۔

④ ایک اور بڑا سبب یہ تھا کہ قریش میں سخت بداخلاقیاں پھیلی ہوئی تھیں، بڑے بڑے ارباب اقتدار نہایت ذلیل بداخلاقیوں کے مرتکب تھے، ابولہب نے حرم محترم کا غزال زریں چرا کر بیچ ڈالا تھا، اخنس بن شریق نمام وکذاب تھا، نضر بن حارث کو جھوٹ بولنے کی سخت عادت تھی، آنحضرت ﷺ ایک طرف بت پرستی کی برائیاں بیان فرماتے تھے، دوسری طرف ان بداخلاقیوں پر سخت دارگیر کرتے تھے، جس سے ان کی عظمت واقتدار کی شہنشاہی متزلزل ہوتی جاتی تھی، قرآن مجید میں پیہم علانیہ ان بدکاروں کی شان میں آیتیں نازل ہوتی تھیں۔

غرض اولاً تو ان قریش میں ایمان ویقین کی خواہش کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ثانیاً اگر نفس خواہش کچھ موجود بھی ہوتی تو مذکورہ بالا موانع اس قدر زبردست تھے کہ جب تک یہ نہ ہٹا دیے جاتے، اس خواہش کا ظہور ناممکن تھا۔

☆ **یقین کے متعلق اس ساری گفتگو کا ماحصل یہ ٹھہرتا ہے کہ:**

① بذات خود یقین عام انسانی جذبات واحساسات ہی کی طرح کا ایک نفسی میلان یا ذہنی کیفیت ہے فلسفہ وحکمت، بلکہ ریاضی تک کے منطقی دلائل سے جو یقین پیدا ہوتا ہے اس کی ماہیت بھی اس نفسی میلان سے زیادہ میلان نہیں ہے۔

② یقین کی بنیاد عقلی ونقلی تمام چیزوں میں یقین کی نفس خواہش اور پھر اس خواہش کے موانع ومؤیدات کا وزن ہے۔

③ ان بنیادی اسباب یقین کی تعمیر تمام تر ان جذبات ومعتقدات اور مزعومات ومفروضات (علوم عقلیہ) سے ہوتی ہے جو کسی شے کے قبول ویقین کو پیش کرنے سے پہلے افراد یا جماعت کے نفس میں جاگزیں ہوتے ہیں۔

لہٰذا اب دیکھنا یہ ہے کہ معجزات کے یقین وقبول کے لیے کس قسم کے معتقدات کی نفس میں پہلے سے موجودگی لازمی ہے۔

غایتِ معجزات

معجزہ منطقی دلیل نہیں

اوپر آغاز کلام میں معجزہ کا جو مفہوم بیان کیا جا چکا ہے، اس سے معلوم ہوا ہوگا کہ معجزہ نبوت کی کوئی منطقی دلیل نہیں ہے، البتہ جو شخص مذہب کا قائل ہے، غیب پر ایمان رکھتا ہے اور اس سنت الٰہی کا معتقد ہے کہ بندوں

کی ہدایت وراہنمائی کے لیے خدا ان ہی کے اندر سے کسی نہ کسی برگزیدہ بندہ کو اپنے پیام کے ساتھ بھیجتا رہا ہے، اس کے سامنے جب کسی مقدس انسان کی طرف سے اس پیام کے حامل یا نبی ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے اور یہ داعی الی اللہ اپنے ظاہری و باطنی کمالات اخلاقیہ واوصاف حمیدہ کے لحاظ سے عام انسانوں سے برتر نظر آتا ہے تو اس شخص کے دل میں ایمان کی ایک لہر پیدا ہوتی ہے، اب اگر اس پیغمبر سے کوئی معجزہ نما واقعہ ظاہر ہوتا ہے یا اس کی طرف کسی معجزہ کا انتساب کیا جاتا ہے تو وہ اس کی صداقت کی ایک آیت یا نشانی کا کام دیتا ہے، جس سے ذوق ایمان کی تقویت ہوتی ہے اور اس طرح ایمان کے تشنہ کام نفوس کے لیے ایک معنی کر کے معجزہ براہ راست خود نبوت کی نہیں، البتہ مدعی نبوت کی صداقت کی ایک نفسی دلیل بن جاتا ہے۔

معجزہ کی حقیقت، ماہیت و سبب

اس دلیل یا آیت کی جو غرض وغایت ہوسکتی ہے اس کی نفسی حقیقت کو یوں سمجھو کہ مذہب کی بنیاد تمام تر اسرار و غیوب پر ہے، سب سے بڑا سرّ یا غیب بلکہ غیب الغیوب خود خدا کا وجود اور اس کی ذات ہے، حشر ونشر، جن وملک، وحی والہام تمام چیزیں ایک عالم غیب ہیں، نبوت نام ہے اسی عالم غیب کے ساتھ روابط وعلائق کا، معجزہ میں بھی چونکہ ایک طرح کا غیب پایا جاتا ہے یعنی وہ عالم ظاہری کے سلسلۂ علل واسباب سے الگ معلوم ہوتا ہے، اس لیے جو شخص غیب پر ایمان رکھتا ہے، اس کا نفس قدرتاً اس یقین کی جانب مائل ہو جاتا ہے کہ جس برگزیدہ انسان سے معجزہ ظاہر ہوا ہے وہ عالم غیب سے خاص تعلق رکھتا ہے۔

لیکن اگر کوئی شخص سرے سے ایمان نہیں رکھتا یعنی سرے سے خدا اور مذہب ہی کا منکر ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے لیے معجزہ تصدیق نبوت کی نہ کوئی دلیل بن سکتا ہے اور نہ آیت۔ کسی نبی کے صادق یا کاذب ہونے کا تصفیہ تو اس کے بعد کی شے ہے کہ پہلے آدمی کا نفس اس امر کا قائل ہو کہ خدا کا کوئی وجود ہے اور وہ ہدایت خلق کے لیے انبیا کو بھیجتا یا بھیج سکتا ہے جو آدمی نقطۂ خط یا سطح وغیرہ مبادی اقلیدس ہی کا قائل نہیں اس کو تم اقلیدس کی کوئی شکل کیسے سمجھا سکتے ہو جس طرح علوم کی فرعی تفصیلات کے ماننے کے لیے پہلے ان کے مبادی کا ماننا لازمی ہے اسی طرح تفصیلات مذہب پر یقین کرنے کے لیے پہلے نفس مذہب کا یقین ضروری ہے۔

✡ مل نے ہیوم کے انکار معجزات کی تنقیح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

''جو شخص کسی فوق الفطرت ہستی اور انسانی معاملات میں اس کی مداخلت کا پہلے ہی سے قائل نہیں ہے اس کے سامنے اگر کسی انسان کی نسبت فوق الفطرت یا خارق عادت باتوں کی روایت کی جائے تو وہ ان کو معجزہ نہ مانے گا معجزات سے خود خدا کا وجود ثابت نہیں کیا جاسکتا اس لیے اگر خدا کا اعتقاد پہلے ہی سے نہ موجود ہو تو کسی فوق الفطرت ہستی کی مداخلت کے علاوہ معجزنما واقعات کی اور بھی توجیہات ممکن ہیں، یہاں تک تو ہیوم کی دلیل بامعنی کہی جاسکتی ہے لیکن

> اگر ایک ایسی ذات کا وجود قطعی یا غالب طور پر مان لیا جائے جو موجودہ نظام فطرت کی خالق ہے اور اس لیے اس میں تغیر و ترمیم بھی کر سکتی ہے تو ہیوم کی دلیل بے معنی ہو جاتی ہے جب تم نے خدا کو مان لیا تو پھر جس شے کو اس کے ارادہ نے پیدا کیا تھا اس پر اس ارادہ کا براہ راست عمل و اثر خوانخواہ کا فرض نہیں رہتا بلکہ ایک سنجیدہ ''امکان'' بن جاتا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں سوال کی نوعیت ہی بدل جاتی ہے اور خدا کی مداخلت یا عدم مداخلت کا فیصلہ اس بحث پر ٹھہرتا ہے کہ کائنات فطرت میں اس کی سنتِ عمل کیا رہی ہے یا عقلاً کیا رہنا چاہیے۔'' [1]

غرض معجزہ کو معجزہ سمجھ کر اس کے یقین و قبول کی اولین شرط یہ ہے کہ آدمی پہلے غیب (خدا اور مذہب) پر ایمان رکھتا ہو اس کے بعد دیکھو کہ معجزہ کی مذکورۂ بالا غایت اور اس پر یقین کی اولین شرط کو پیش نظر رکھ کر وقوع معجزہ کی مختلف صورتیں یا توجیہات کیا ہو سکتی ہیں جزئی شقوق یا فرعی احتمالات سے قطع نظر کرکے جن سے قدیم و جدید علم کلام کا دفتر پر ہے، اصولی طور پر صرف وہی دو صورتیں نکلتی ہیں جن کی جانب مل نے اقتباس بالا میں اشارہ کیا ہے۔

پہلی صورت: یہ ہے کہ خدا نے کارخانۂ عالم چلانے کے لیے کچھ اصول و قوانین مقرر کر دیئے ہیں جن کے مطابق اس کل کا ہر پرزہ اپنی اپنی جگہ پر کام کرتا رہتا ہے اور ارادۂ الٰہی اپنی اس سنت جاریہ میں کبھی کسی حالت میں تغیر و تبدل نہیں کرتا بقول اسپنوزا کے کہ ''خدا کی خدائی اور اس کی حقیقی عظمت و حکمت کا اظہار اسی سے ہوتا ہے کہ عالم ایک بندھے ہوئے غیر متغیر نظام کا پابند ہو قدرت خداوندی کے معنی یہی ہیں کہ کارخانۂ فطرت اپنے ازلی یا اٹل قوانین کا تابع ہے۔ [2]

اس احتمال کی رو سے معجزہ کا وقوع بھی انہی ازلی قوانین کی کسی نہ کسی ایسی کارفرمائی کے ماتحت ہونا چاہیے جس کا کم از کم ظہور معجزہ کے وقت عام لوگوں کو علم نہیں ہوتا اور اس لیے معجزہ جو دراصل محض ایک فطری واقعہ ہوتا ہے بظاہر لوگوں کو معجزہ نظر آتا ہے مثلاً: جس وقت تک عمل تنویم کے نفسی قوانین فطرت کا انکشاف نہیں ہوا تھا عصائے موسوی کا اژدہا بن جانا معجزہ تھا لیکن آج اس نفسی قانون کے جاننے والوں کے لیے کرسی کا شیر بن جانا فطری واقعہ ہے اور عصائے موسوی کے اژدہا نظر آنے کی بھی اس سے توجیہ کی جا سکتی ہے۔ لیکن اس توجیہ سے یہ کسی طرح نہیں نکلتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں یہ واقعہ معجزہ نہ تھا، اس لیے کہ اس زمانہ تک

[1] دیکھو Three Essays on Religion (مذہب پر تین مضامین) مطبوعہ ایشیاٹک پریس ص: ۹۸ نیز نظام منطق کتاب سوم باب ۲۵ فصل ۲، اسی میں مل نے ایک اور غلط فہمی کا بھی ازالہ کیا ہے وہ یہ کہ خدا کو مان لینے کے بعد معجزہ کو قانون فطرت کا سرے سے خارق ہی نہیں کہا جا سکتا پتھر کو اوپر پھینکو اور کوئی شے بیچ میں مانع یا عائق نہ ہو تو اس صورت میں اس کا زمین پر لوٹ کر نہ گرنا یا ہوا میں معلق رہنا بے شک خلاف فطرت ہوگا لیکن اگر اس کو بیچ میں کوئی روک لے تو زمین پر نہ گرنا بالکل خارق عادت نہ ہوگا کیونکہ مانع موجود ہے معجزہ کی صورت میں جو ارادۂ خداوندی معمولی سلسلۂ علل و اسباب کا خالق ہے وہی اس کے عمل سے مانع ہو جاتا ہے لہٰذا معجزہ نہ خلاف فطرت ہے اور نہ بلا علت کیونکہ عمل علت کی شرط تو یہ ہے کہ کوئی مانع نہ موجود ہو اور یہاں موجود ہے۔

[2] اسپنوزا جدید فلسفہ کا ایک نامور امام ہے دیکھو اس کا مجموعہ تصنیفات Spinosa's Work جلد اول سباب ۶ بحث معجزات۔

معجزہ کی وہ غایت جس کا ابھی اوپر ذکر آچکا ہے اس واقعہ سے پوری طرح حاصل تھی یعنی اس میں ایک طرح کا غیب پایا جاتا تھا اور اس کا وقوع عالم ظاہری کے سلسلہ علل واسباب سے الگ معلوم ہوتا تھا، لہٰذا اس سے نبی کی تصدیق کا (جو عالم غیب سے تعلق رکھتا ہے) نفس میں میلان پیدا ہوسکتا تھا جیسا کہ ساحروں کے نفس میں پیدا ہوا، انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نبی ہونے کی تصدیق کی۔ البتہ آج یہ واقعہ البرٹ مول یا ولیم جیمس کے سامنے بیان کیا جائے تو وہ اس کو بجائے معجزہ کے صرف ایک فطری واقعہ سمجھنے کا حق رکھتے ہیں اس لیے اب اگر کوئی نبی یا ولی اپنی نبوت یا ولایت کی تصدیق کا میلان کسی معجزہ یا کرامت کے ذریعہ سے مول اور جیمس وغیرہ کے دل میں پیدا کرنا چاہے تو کوئی ایسی نشانی ظاہر کرنا ہوگی جس کی توجیہ سے ان کا موجودہ علم اسی طرح عاجز ہو جس طرح کہ انبیائے سابقین کے زمانہ میں ان کے معجزات کی توجیہ سے اس وقت کا علم عاجز تھا یا بعض کی توجیہ سے اب بھی عاجز ہے۔

مثلاً : شقِ قمر لیکن اصل یہ ہے کہ عمل تنویم کے تجربات میں اگر تھوڑی سی قیاسی وسعت اور پیدا کر لی جائے تو شقِ قمر وغیرہ تقریباً ہر قسم کے خوارق کی توجیہ ہوسکتی ہے۔ کیونکہ اس عمل کا دارومدار تمام تر عامل کی قوت اثر آفرینی اور معمول کی اثر پذیری پر ہے، یہ نفسی تاثیر وتاثر کم وبیش ہر انسان میں موجود ہے جس کی ادنیٰ مثالیں ہم کو روزانہ کی معمولی زندگی میں ملتی رہتی ہیں، ہماری زبان کی ایک عامیانہ مثل ہے کہ ''خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔'' جس کے یہی معنی ہیں کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کے اوضاع واطوار سے اثر پذیر ہوتا ہے، نیک صحبت کے فوائد اور بری صحبت کے مضار کا بھید یہی نامحسوس تاثر ہے، جس قدر کسی شخص کی قوت ارادی یا قوت تاثیر زبردست ہوتی ہے اسی قدر زیادہ دوسروں پر اثر ڈال سکتا ہے۔ دنیا کے اکابر رجال کی کامیابی کا ایک بڑا راز یہی قوت رہی ہے ان کے صرف کہنے کا لوگوں پر جو اثر پڑتا ہے وہ دوسروں کے دلائل وبراہین کا نہیں پڑتا۔

اس کی بہترین زندہ مثال گاندھی جی ہیں، انہوں نے جس درجہ کے امرا واعیان ملک سے چرخہ کتوا لیا ہے اور اپنی سیدھی سادی گفتگو اور تحریروں سے جس طرح اس کی خوبیوں کا یقین ہزاروں لاکھوں انسانوں کے دل میں پیدا کردیا ہے وہ بڑی حد تک اسی قوت کا کرشمہ ہے ورنہ ملک میں ان سے زبردست خطیب، انشا پرداز اور منطقی سینکڑوں ملیں گے لیکن اثر آفرینی کا یہ سحر وجادو کسی کی تقریر، کسی کی تحریر اور کسی کے دلائل میں نہیں ملتا، غرض اثر آفرینی (1) کی یہی قوت ہے جس کو عامل تنویم عشق سے بڑھا کر کرسی کو شیر اور جھاڑو کو حسین عورت بنا دے سکتا ہے۔

✡ ان واقعات کی بنا پر ہم کو یقیناً اپنے قیاس میں اتنی توسیع کا حق حاصل ہے کہ ماہرین تنویم یا عام اکابر رجال ومصلحین کی قوت آثر آفرینی کے مقابلہ میں انبیائے کرام علیہم السلام کی وہبی وروحانی قوت تاثیر ونفوذ کا

(1) انگریزی میں اثر آفرینی کے لیے (Suggestion) کی اصطلاح ہے جس کی پوری حقیقت کو تجربات اور مثالوں سے سمجھنے کے لیے انگریزی دان حضرات ڈاکٹر سیڈس کی دلچسپ کتاب ''نفسیات اثر آفرینی'' The Psychology of suggestion کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

✡ ان ماہرین تنویمات کو صرف تنویم کا نفسیاتی طریقہ کار آتا ہے، اور اکثر کے دعوے بس محل نظر ہیں: ڈاکٹر محمد علی جنید

مرتبہ کہیں زیادہ اعلیٰ وارفع ہوتا ہے اور اس لیے وہ ان سے بھی بدر جہا زیادہ عجیب تر ومحیر العقول امور کا یقین لوگوں کے دل میں پیدا کر دے سکتے ہیں، عامل تنویم اثر آفرینی کے لیے کچھ نہ کچھ ظاہری حرکات وسکنات یا الفاظ وخطاب کا محتاج ہوتا ہے اور اس کا زیادہ تر اثر افراد تک محدود رہتا ہے لیکن نبی کی اعلیٰ اور روحانی قوت تاثیر کے لیے صرف باطنی ارادہ کافی ہوسکتا ہے اور اس کا اثر افراد سے بڑھ کر جماعت تک کو محیط ہوسکتا ہے۔

البتہ یہاں ایک وسوسہ دل میں پیدا ہوگا جس کا دور کر لینا ضروری ہے وہ یہ کہ معجزہ کی اس توجیہ کو قبول کرنے کے معنی یہ ہوں گے کہ اس کی حقیقت ایک طرح کے سحر، نظر بندی یا فریب حواس سے زیادہ نہیں ہے یعنی جس شخص کو کوئی معجزہ نظر آتا ہے اس کا وجود خود اس شخص کی نظر، حواس یا زیادہ صحیح یہ ہے کہ ذہن سے باہر کسی خارجی و حقیقی شے کی صورت میں نہیں ہوتا۔

بعض وسوسوں کا جواب

اوپر معجزہ کی جو غایت معلوم ہو چکی ہے، اس کے لحاظ سے اس وسوسہ کا صاف جواب تو یہ ہوگا کہ وہ غایت ہر نوع حاصل ہے، معجزہ فی نفسہ چاہے کوئی خارجی شے ہو یا محض ذہنی، اصلی غرض صرف اتنی ہے کہ جس فرد یا جماعت کے سامنے کوئی معجزہ پیش کیا جائے، اس کے علم کے لحاظ سے وہ اپنے اندر کچھ نہ کچھ غیب رکھتا ہو، ہاں بظاہر اس سے بھی ایک اور قوی تر اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس صورت میں پھر نبی اور عالم تنویم یا ساحر میں کیا فرق رہ جاتا ہے؟ اس اشکال کا حل بھی ضمناً اوپر ہی گزر چکا ہے کہ معجزہ بجائے خود نبوت کی کوئی منطقی دلیل نہیں ہے بلکہ جس شخص میں ظاہری و باطنی کمالات یعنی اصل خصائص نبوت و اوصاف حمیدہ عام انسانوں کے مقابلہ میں فوق العادہ حد تک مجتمع ہوتے ہیں اس کے حق میں معجزہ محض تائید مزید کا کام دے سکتا ہے اور جس شخص پر نبوت کے یہ اصلی خصائص و کمالات روحانی مؤثر نہ ہوں وہ بلاشبہ نبی کو بھی زیادہ سے زیادہ ایک بڑا ساحر قرار دے گا جیسا کہ منکرین نے ہمیشہ کہا ہے کہ ﴿ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝ ﴾ (۳۸/ ص:۴) ﴿ إِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيمٌ ۝ ﴾ (۲۶/ الشعراء:۳۴) ﴿ قَالُوا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝ ﴾ (۲۷/ النمل:۱۳) ﴿ وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝ ﴾ (۵۴/ القمر:۲) [1]

[1] متکلمین اسلام کے ہاں سحر و معجزہ کی بحث ایک مستقل مسئلہ ہے لیکن ان میں بھی اہل تحقیق کا مسلک یہی ہے کہ دونوں میں کوئی نوعی فرق نہیں ہے بعضوں کے نزدیک تو محض استعمال کا فرق ہے یعنی انبیا اور اولیا اپنے نفس کی قوت معجز نمائی کو مقاصد خیر کے لیے استعمال کرتے ہیں اور ساحر مقاصد شر کے لیے سفینۃ الراغب، ص: ۱۱۸۔ مولانا حمید الدین فراہی جن سے بڑھ کر موجودہ دنیائے اسلام میں شاید ہی کسی کو فہم قرآن کی سعادت حاصل ہو وہ بھی ﴿ لَا يُفْلِحُ السَّاحِرُونَ ﴾ (۱۰/ یونس:۷۷) سے یہی نتیجہ اخذ فرماتے ہیں کہ معجزہ اور سحر میں صرف یہ فرق ہے کہ ساحر فلاح یاب نہیں ہوتا یعنی وہ اپنی قوت سحر کو خود اپنے یا دوسروں کے لیے فلاح و خیر کے اغراض میں استعمال نہیں کرتا بلکہ علی العموم جادوگروں کی اخلاقی حالت نہایت پست ہوتی ہے۔ لیکن ﴿ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتَىٰ ۝ ﴾ (۲۰/ طٰہٰ:۶۹) کی نص قرآنی کا زیادہ صاف وصحیح مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ساحر کا سحر جب نبی اور اس کے معجزہ کے مقابلہ میں آتا ہے تو وہ مغلوب و ناکام رہتا ہے جیسا کہ عصائے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں ظاہر ہوا۔ اس سے سحر و معجزہ میں جب کہ دونوں میں مقابلہ ہو ظاہری فرق و تمیز کا بھی ایک یقینی معیار ہاتھ آ جاتا ہے باقی دونوں کی باطنی حقیقت میں کیا فرق ہے یہ تو فن سحر کا عالم ہی جان سکتا ہے جیسا کہ تمام فنی حقائق میں معلوم ہوتا ہے اور جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مدمقابل ساحروں نے فرق جان لیا تھا۔

☆ مولانا حمید الدین فراہی کی بابت مولانا کی ذاتی آرا ہے ،مولانا فراہی ایک لغوی و معقولی مفسر تھے ،لوگوں نے انکی علمیت و صلاحیت کو مانا ہے مگر ،منکرین حدیث، غامدی ،اصلاحی مکتبہ فکر کا انکے طرف جھکاو ہی انکی فکر کی کمزوری کو ظاہر کردیتا ہے ،تفسیر ماثورہ سے عمدہ کوئی تفسیری طریقہ نہیں ،مفسرین کی ذاتی معقولی آرا نے امت کو الحادی جدیدیت کا شکار کردیا ہے ،اللہ ہمیں ان سے محفوظ کرے:ڈاکٹر محمد علی جنید.

لیکن اس وسوسہ کا (کہ توجیہ بالا کی بنا پر معجزہ کی حقیقت کسی خارجی وواقعی وجود کی جگہ محض ایک ذہنی یا خیالی وہم کی رہ جاتی ہے) تحقیقی جواب دراصل مابعدالطبیعیات سے متعلق ہے جو تمام عقلی موشگافیوں کی آخری عدالت مرافعہ ہے مگر اس عدالت کا آخری فیصلہ ہرگز یہ نہیں ہے کہ حقیقی یا واقعی وجود صرف خارجی چیزوں کا ہے بلکہ اس کے نزدیک تو یہی امر سرے سے مشتبہ ہے کہ خود خارج کا کوئی وجود ہے اور اساطین فلسفہ کی ایک بڑی جماعت (تصوریہ) کا مسلک یہ ہے کہ "عالم تمام حلقہ دام خیال ہے۔" حقیقی وجود صرف روح، ذہن یا نفس کا ہے باقی دریا پہاڑ، چاند، سورج زمین وآسمان جو کچھ دیکھتے ہو یہ سب تمہارے ذہن ہی کے اندر ہیں مادہ اور عالم مادی محض ایک "وہم وگمان ہے۔" ❶

اس جماعت نے عالم خارجی کی ایک توجیہ یہ کی ہے کہ جن چیزوں کو ہم موجوداتِ خارجی سمجھتے ہیں وہ صرف ذہن کے تصورات ہیں جو خدا ہمارے اندر پیدا کر دیتا ہے اسی راز کی طرف اکبر مرحوم نے باتوں باتوں میں اس طرح اشارہ کیا ہے کہ "جو کچھ ہے سب خدا کا وہم وگمان ہمارا" لہٰذا جس ذات یا قوت نے سارے ذہن میں عصائے موسوی اور ثابت ومسلم قمر کا تصور پیدا کیا تھا اس نے اگر تھوڑی دیر کے لیے عصا کی جگہ اژدہا اور قمر مسلم کی جگہ شق قمر کا تصور پیدا کر دیا تو دونوں کے وجود کی حقیقت ونوعیت میں کیا فرق پڑا۔ سائنس جس کا جذبہ مادہ پرستی دلائل سے لاجواب اور خود مادہ کو غیر مادی وغیر جوہری کہنے کے باوجود مادیات کے وجود خارجی سے یک قلم دست برداری پر راضی نہیں اور اس تار عنکبوت میں کسی نہ کسی طرح الجھا رہنا ہی پسند کرتا ہے وہ بھی کم از کم محسوسات کی نسبت تو یہ ماننے پر مجبور ہی ہے کہ رنگ وبو، آواز ومزہ، سردی وگرمی وغیرہ کا وجود صرف ایک ذہنی احساس یا تصور ہے جس کو مادہ نامی کوئی "نامعلوم شے" ہمارے ذہن میں خلق کر دیتی ہے اور جس کا ذہن سے باہر کوئی وجود نہیں جب رنگ اور آواز جس کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور کانوں سے سنتے ہیں اس کے حقیقی وواقعی وجود کے صرف اتنے ہی معنی ہیں کہ ہم اس کا احساس وتصور رکھتے ہیں تو پھر کیا ضرورت ہے کہ معجزات کے وجود کو ہم اس سے زیادہ حقیقی وواقعی ثابت کرنے کی کوشش کریں۔

ایک اور اعتراض

یہ تو وہ شبہات تھے جو معجزہ اور سحر وتنویم کی یکسانی یا معجزات کے محض ذہنی وجود کی بنا پر پیدا ہوتے تھے لیکن ایک اور اعتراض معجزہ کی تمام ان توجیہات پر وارد ہوتا ہے جن کی رو سے یہ فطرت کے معمولی یا غیر متغیر قوانین اور علل واسباب (چاہے وہ نفسی ہوں یا طبعی ومادی) ہی کے کسی نہ کسی ایسے مخفی عمل کا معلول کیا جاتا ہے جس کا ظہور معجزہ کے وقت عام لوگوں کو علم نہیں ہوتا، یہ ایک اعتراض معجزہ کے اضافی ہونے کا ہے فرض کرو کہ

❶ مابعد الطبیعیات کے اس نازک مسئلہ کی توضیح کی گنجائش یہاں نہیں نکالی جاسکتی البتہ دور جدید میں تصوریت کے بانی اول برکلے کا فلسفہ اردو میں منتقل ہو چکا ہے جو لوگ فلسفہ کا ذوق رکھتے ہیں وہ تو اس کی اصل کتاب "مکالمات رساوی" کا مطالعہ کر سکتے ہیں عام لوگ شاید فلسفہ برکلے سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں گے (مطبوعہ دارالمصنفین)۔

شقِ قمر کی علت خواہ تنویم کی طرح کوئی نفسی قانون ہو یا کیمیاوی جذب واتصال کی طرح جو چاند کے مختلف اجزا کو باہم ملحق کیے ہوئے ہے کوئی ایسا مادی قانون دفع وافتراق ہو جس نے چاند کے دوٹکڑے کر دیے ہوں ان دونوں صورتوں میں شق قمر صرف اسی وقت تک معجزہ ہے جب تک کہ اس کے نفسی یا مادی قوانین وعلل کا انکشاف نہیں ہوتا لاسلکی پیام رسانی کے انکشاف سے پہلے اگر کوئی شخص ہندوستان میں بیٹھ کر ایک سیکنڈ میں امریکہ کا کوئی واقعہ معلوم کر لیتا تو یہ کسی معجزہ سے کم نہ ہوتا لیکن اب معمولی بات ہے۔

بے شبہ اس معنی کر کے

معجزہ یقیناً اضافی شے ہے اور ہمیشہ رہے گا کوئی معجزہ ایسا نہیں پیش کیا جا سکتا جو اس احتمال اضافیت سے خالی ہو کیونکہ انسان کا علم ہی تمام تر اضافی ہے اگر اس کا علم قطعی ومختتم طور پر تمام قوانین فطرت کا احاطہ کر سکتا تو البتہ کسی حد تک معجزہ کی نسبت یہ مطالبہ بجا ہو سکتا تھا کہ ابد الآباد تک کسی قانون فطرت سے اس کی توجیہ نہ ہونی چاہیے لیکن جب ہمارا علم ہی اضافی ہے تو کوئی معجزہ احتمال اضافیت سے کیسے خالی ہو سکتا ہے؟ ایک مدعی نبوت یہ اعجاز دکھلا سکتا ہے کہ ایک ہفتہ تک آفتاب غروب نہ ہو لیکن اس کا قطعی یقین کیسے دلایا جا سکتا ہے کہ آگے چل کر علم ہیئت کے اکتشافات سے اس اعجاز کی توجیہ نہ ہو سکے گی؟ لہٰذا جو شے آج معجزہ ہے بالفرض کل وہ طبعی واقعہ ثابت ہو جائے تو بھی اس سے آج اس کے معجزہ ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا اور معجزہ کی غرض وغایت کو پورا کرنے کے لیے اسی قدر کافی ہے۔ (دیکھو اوپر صفحہ)

دوسری صورت

یہ ہے کہ عام طور پر تو کارخانۂ کائنات ایک مقررہ سنت یا بندھے ہوئے قوانین ہی کے ماتحت چلتا رہتا ہے لیکن کبھی کبھی خدا اپنے مرسلین ومقربین کی تائید غیبی کے لیے اس ''سنت جاریہ'' میں مداخلت اور تغیر وتبدل کو بھی جائز رکھتا ہے خواہ یہ تغیر وتبدل فطرت میں کسی نئے حذف واضافہ کی وساطت سے ہو یا اس کا منشا براہ راست ارادۂ الٰہی ہو اور جس طرح اسپنوزا کے نزدیک خدا کی خدائی اس میں نظر آتی ہے کہ عالم ایک بندھے ہوئے غیر متغیر نظام کا پابند ہو، اسی طرح بہت سے فلاسفہ اپنی عقل کو اس پر مجبور پاتے ہیں کہ ہر معلول کی براہ راست علت فطرت کی کوئی قوت نہیں بلکہ ایک ہستی برتر کا ارادہ ہے۔ ان فلاسفہ کے نزدیک وقوع معجزہ کے لیے بھی ارادۂ الٰہی کی براہ راست مداخلت ہی والا احتمال زیادہ قابل قبول ہوگا۔

اس صورت کے مختلف احتمالات

صورت مداخلت کے ان احتمالات ثلثہ میں اگرچہ کوئی قطعی تفریق ہر جگہ نہیں کی جا سکتی، تاہم جو موٹا سا فرق کیا جا سکتا ہے اس کو مثالوں سے سمجھ لینا چاہیے:

① عام قانون فطرت یہ ہے کہ انسان کا بچہ بلا اتصال جنسی نہیں پیدا ہوتا لیکن اس اتصال جنسی سے جو مادۂ تولید رحم مادر میں داخل ہوتا ہے اس کو اگر خدا خود رحم کے اندر ہی پیدا کر دے جس طرح کہ اور بہت سی رطوبات جسم میں پیدا ہوتی رہتی ہیں تو بلا اتصال جنسی لڑکا پیدا ہو سکتا ہے اور مداخلت خداوندی کی یہ صورت فطرت میں

ایک نئے عارضی اضافہ کی وساطت پر مبنی ہوگی ممکن ہے کہ ''ولادت مسیح علیہ السلام'' میں خدا نے اپنی مداخلت کی اسی صورت سے کام لیا ہو۔

② اسی طرح اضافہ کے بجائے حذف کی مثال یہ ہو سکتی ہے کہ چاند کے مختلف اجزا جس کیمیاوی جذب و اتصال کی قوت سے آپس میں پیوستہ ہیں ان میں سے صرف اس حصہ قوت کو جو چاند کے نصفین میں موجب اتصال ہے تھوڑی دیر کے لیے خدا حذف یا سلب کر لے جس سے شق قمر کا معجزہ ظاہر ہو سکتا ہے۔

③ تیسرا احتمال یہ ہے کہ کسی مادی واسطہ کا حذف و اضافہ کیے بغیر براہ راست خدا نے صرف ارادہ ''کن فیکون'' سے قمر کو شق اور مسیح علیہ السلام کو پیدا کر دیا ہو۔

نا تو از روئے قران مجید احتمال تنویمی ممکن ہے اور نا بلا اجازت الہی کوئی نبی یا ولی معجزہ یا کرامت دکھا سکتا ہے۔

یہی آخری صورت عمیق النظر فلاسفہ و متکلمین اور اہل حق کا مذہب ہے بلکہ تنویمی احتمال کی تو خود کلام مجید کی رو سے گنجائش نہیں اس لیے کہ تنویم کا عمل اس کے عامل کے علم و ارادہ کے تحت ہوتا ہے اور معجزات میں انبیا علیہم السلام ☆ کے علم و ارادہ کو قطعاً دخل نہیں ہوتا اسی لیے وہ فرمائش و تعدی پر کسی آیت یا معجزہ کو خود پیش کر سکنے سے عجز کا صاف اعتراف اور اس امر کا غیر مشکوک اعلان کرتے ہیں کہ آیات تو صرف اللہ ہی کے اختیار میں ہیں۔ ﴿ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰہِ ﴾(٦/ الانعام:١٠٩) اور رسول اگر ان کو پیش کرتا یا کر سکتا ہے تو صرف اللہ ہی کے براہ راست حکم و اذن سے، خود کسی رسول میں ہرگز اس کی طاقت نہیں کہ اللہ کی مرضی و مشیت کے بغیر کوئی آیت یا معجزہ پیش کر سکے۔ ﴿ وَمَا کَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ یَّاْتِیَ بِاٰیَۃٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ ﴾(٤٠/ المؤمن:٧٨) اگر عامل تنویم کی طرح انبیا علیہم السلام اپنے ہی علم و ارادہ سے معجزات ظاہر کرتے ہوتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے عصا کو سانپ کی صورت میں ظاہر فرما کر خود اسی سے کیوں ڈرتے اور پھر اس کے عصا بنا دینے کو اللہ تعالیٰ براہ راست اپنی طرف کیوں منسوب فرماتا کہ ''ڈرو نہیں ہم اس کو پھر ابھی چھڑی ہی بنا دیں گے۔'' ﴿ وَلَا تَخَفْ سَنُعِیْدُھَا سِیْرَتَھَا الْاُوْلٰی ﴾ (٢٠/ طٰہٰ:٢١)

باقی اور جتنے احتمالات اوپر بیان ہوئے وہ بھی بس احتمالات و تاویلات ہی کے درجہ میں ہیں لیکن تاویل خواہ بعید ہی ہو تکذیب کے مقابلہ میں اہون ہے لہٰذا یہ درحقیقت ایسے طفل مزاج عقل پرستوں پر اتمام حجت اور انکار و تکذیب کی راہ سے ان کو بچانے کے لیے ہیں جو بچوں کی طرح مٹھائی و عقل کا نام لیے بغیر کسی اعلیٰ حقیقت کی طرف ملتفت ہی نہیں ہوتے اور جن کی عقل، عقل کے نام سے اتنی مرعوب ہے کہ خود عقل کی نارسائی تک بھی رسائی نہیں پا سکے ہیں۔ اصل بحث و توجہ کی بات ایک ہی ہے کہ سارے کارخانہ فطرت کی اساس و بنیاد کوئی بے شعور و بے ارادہ مبدء ہے یا اندر باہر انفس و آفاق میں جو کچھ بھی ہے اور ہوتا ہے تمام تر بالذات و براہ راست کسی علم و ارادہ والی ذات کی مشیت و قدرت کا ظہور ہے فلسفہ اور فلسفیانہ عقل کے لیے ایک طرف تو یہ بات بہت پرانی ہو چکی ہے کہ جہاں کہیں جو کچھ بھی ہے یا ہو رہا ہے وہ ایک ہی ہستی کی جلوہ

☆ یعنی کسی نبی یا ولی میں بلذات معجزہ و کرامت کی حقیقی صفت نہیں ہوتی اللہ اسے کسی خاص مطالبے و ضرورت پر عطا کر دیتا ہے مگر مطالبہ معجزہ ناپسند فرماتا ہے :معج.

فرمائی وکارفرمائی کے مظاہر ہیں اور فلسفہ تصوریت کی رو سے (جس کا جدید فلسفہ میں خصوصاً دور دورہ رہا ہے) یہ ہستی اسی نوعیت کی ہے جس کو ہم شاعر الذات، نفس وروح یا انا وایغو تعبیر کرتے ہیں، باقی مادہ وطبیعت یا مادی و طبعی عوامل وقوانین کی ساری تعبیرات واصطلاحات دفترِ بے معنی ہیں۔

؎ تیرے الفاظ نے کر رکھے ہیں دفتر پیدا ورنہ کچھ بھی نہیں اللہ کی قدرت کے سوا (اکبر)

نئی بات جو سائنس اور سائنس دانوں کے نام سے مرعوب ذہنوں اور عقلوں کے لیے خصوصاً لائق توجہ ہے یہ ہے کہ مادہ کی بظاہر جس ٹھوس چٹان پر مادیت یا طبعی عوامل وقوانین کی پوری عمارت کھڑی تھی، وہ خود نئی طبیعیات ہی میں برف کی طرح پگھل رہی ہے۔''اب ازلی وغیر فانی مادہ اور ٹھوس سالمات پرانا افسانہ ہو چکے ہیں قائم بالذات جوہر کی حیثیت سے مادہ کو اب کوئی اساسی حقیقت نہیں تسلیم کیا جاتا وہ اب عملاً برقی توانائی (یا برقیات) میں گم ہو کر رہ گیا ہے۔'' لیکن خود برق یا برقیات کی انتہائی حقیقت کیا ہے؟ کوئی نہیں جانتا، یہی نہیں بلکہ مادہ کو کسی معنی میں موجود جاننے کے لیے عام انسانی ذہن ودماغ کے لیے کم از کم اتنا سہارا ناگزیر تھا کہ وہ کسی جگہ (یا مکان میں) موجود ہے لیکن نظریۂ اضافیت نے اس آخری سہارے کو بھی چھین لیا۔

''مادہ جو ہماری عام عقل وفہم کے لیے ایک موجود فی المکان اور قائم فی الزمان جوہر تھا اور کائنات نام تھا مادہ کے ڈھیروں ڈلوں یا ایسے مادی جوہروں کا جو خاص خاص قوانین کے مطابق زمان ومکان میں اِدھر سے اُدھر مارے مارے پھرتے تھے۔ اب جو بڑا انقلاب سائنس کے نقطہ نظر سے برپا ہوا ہے وہ صحیح معنی میں اسی واقعہ کا نتیجہ ہے کہ مادہ اور زمان ومکان سرے سے تین جداگانہ حقائق ہی نہیں قرار دیے جاتے۔'' [1]

ایک عام آدمی عریاں الفاظ میں اس کے سوا کیا سمجھ سکتا ہے کہ مادہ نہ کسی جگہ ہے نہ کسی وقت میں یعنی نہ کسی زمان میں تو پھر ''ہے'' کے کیا معنی؟ اضافیت کے اس شاہکار کو پوری طرح سمجھنا یا سمجھانا تو اعلیٰ ریاضیات کے ماہرین ہی کا کام ہے، ہم عامیوں کو سچ پوچھیے تو ایسے مادہ کی نسبت جو زمان ومکان سے الگ یا مستقل بالذات ہو کر کسی جگہ اور وقت میں یا زمان ومکان کے مظروف کی حیثیت سے نہ پایا جاتا ہو بے ساختہ یہی کہنا پڑتا ہے کہ ریاضیات نے تحلیل کرتے کرتے ہماری خارجی (یا مادی) دنیا کو قریباً عدم تک پہنچا دیا ہے۔ [2] اور یہ تو بہر حال واضح ہو گیا ہے کہ کائنات کو کوئی مشین نہیں قرار دیا جا سکتا۔ پرانی مادیت دیوالیہ ہو چکی ہے، یعنی وہ مادیت جو کائنات، زندگی اور ذہن سب کا ایک مادی تصور رکھتی تھی۔ [3] اسی طرح سائنس وریاضی کے جھروکوں سے بھی فلسفیانہ تصوریت ہی جھانکنے لگی ہے حتیٰ کہ:

[1] ماڈرن بلیف۔ مقدمہ ص:۱۵۱۔ [2] ایضاً ص:۱۴۳۔ [3] ایضاً۔

''سائنس دانوں کو طبعی کائنات میں کسی اساسی خارجی یا معروضی حقیقت کی جستجو میں معلوم ہوا ہے کہ کوئی خارجی حقیقت اگر سرے سے ہو بھی تو وہ کوئی ایسی نہایت ہی عجیب وغریب شے ہوگی جو کبھی خواب وخیال میں بھی نہ آتی تھی، ایڈنگٹن نے نظریہ اضافیت کے ضمن میں لکھا ہے کہ اگر میں غلطی نہیں کرتا تو طبعیات کی ایک دوسری جدید ترقی کوانٹم تھیوری تک پہنچ کر ہم نے خارجی حقیقت کی جستجو کے مقصد کو ترک کر دیا ہے اور طبعی کائنات کی ایسے عناصر میں تحلیل کرنا پڑی ہے جو صراحتہً ذہنی (SUBJECTIVE) ہیں، اگر خارجی دنیا کو جاننے میں ہمارے لیے خود اپنے ذہنی عنصر کو جدا کرنا مشکل ہے تو خود ان (SELF KNOWING) شعور کے مسئلہ میں جہاں ''ذہن وخارج'' (یعنی جاننے والا اور جانا گیا) حقیقتہً ایک ہو جاتے ہیں اس کو جدا یا ممتاز کرنا کہیں زیادہ مشکل ہوگا'' ❶

غرض فلسفہ کے بعد سائنس میں بھی ہوا کا رخ جس طرح تصوریت یعنی اس خیال کی طرف جا رہا ہے کہ ہماری کائنات اور اس کی نیرنگیاں بے شعور مادہ کی میکانکی کارستانیاں نہیں بلکہ ذہن وشعور کی کارفرمائیاں ہیں اور خالص سائنس دان نہ سہی لیکن سائنس دان فلسفی کی حیثیت سے سر جیمس، جیانس، ماکس، پلانک، شرودنگر آنیسٹائن وغیرہ جیسے رجال سائنس کا تصوریت کی جانب رجحان بڑھتا جا رہا ہے اور کائنات کا اساسی سرچشمہ شعور کو قرار دینے لگے ہیں جیسا کہ سر جیمس جیانس کا صاف اعتراف ہے کہ میرا رجحان تصوریہ کے اسی نظریہ کی طرف ہے کہ اساسی وبنیادی حقیقت شعور ہے اور مادی کائنات اس سے ماخوذ ہے۔ ❷

مذاہب کا وجود اسی ذی شعور وذی علم اساسی سرچشمہ کائنات کے سوا کیا ہے اور جب ساری کائنات ہی کسی نہ کسی طرح اس کے علم وشعور سے ماخوذ یا اس کی مخلوق ہے تو معجزات کے مادی یا میکانکی عوامل وقوانین کی جستجو خود عقل کی رو سے کونسی عقلمندی کا کارنامہ ہے۔ ❸ عقل ودانش کی بات تو بس وہی اکبرالہ آبادی کی ہے کہ:

؎ تیرے الفاظ نے کر رکھے ہیں دفتر پیدا	ورنہ کچھ بھی نہیں اللہ کی قدرت کے سوا

معجزہ پر یقین کرنے کی شرایط

غرض یقین معجزہ کی اولین شرط خدا اور غیب کا یقین ہے اس کے بعد اپنے اپنے علم ومذاق کے مطابق توجیہ معجزات کی جس طرح یہ ''پہلی صورت''، ممکن ہے کہ وہ عام قوانین فطرت (خواہ نفسی یا مادی) ہی کے کسی مخفی عمل کا نتیجہ ہوں اسی طرح مداخلت کی (خواہ براہ راست ہو یا بواسطہ حذف واضافہ) ''دوسری صورت'' بھی قابل قبول ہے، انگلستان کے مشہور منطقی ولیم اسٹال جیونس نے ایک نہایت ضخیم کتاب ''اصول سائنس'' ❹ کے نام سے لکھی ہے جس میں آخری نتیجہ یہ نکالا ہے کہ:

❶ ماڈرن بلیف مقدمہ ص:۸۔ ❷ ماڈرن بلیف ص:۵۲۰۔
❸ ان مباحث کی کامل وتشفی بخش تفصیل ان شاء اللہ فلسفہ اسلام کے ذیل میں بشرط صحت وحیات ملے گی۔
❹ The Principal of Scienc (حاشیہ) طبع آخر ۱۹۱۳ء ص ۷۶۶۔

''اُوپر علم سائنس کی حقیقت ونوعیت کے متعلق جو بحثیں گزری ہیں ان سے ایک نتیجہ جو نہایت صاف طور پر نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ ہم کارخانۂ فطرت میں مداخلت خداوندی کے امکان کو کسی طرح باطل نہیں ٹھہرا سکتے، جس قوت نے کائنات مادی کو خلق کیا ہے وہ میرے نزدیک اس میں حذف واضافہ بھی کرسکتی ہے اس قسم کے واقعات ایک معنی کر کے ہمارے لیے ناقابل تصور کہے جاسکتے ہیں پھر بھی یہ اس سے زیادہ ناقابل تصور نہیں ہیں جتنا کہ خود عالم کا وجود ہے۔''

مگر جو شخص اس خالق کائنات قوت ہی کا قطعاً منکر ہو، جو سرے سے غیب ہی پر ایمان نہ رکھتا ہو اور جو آرنسٹ ہیگل (جرمنی کا مشہور ملحد و مادہ پرست) کی طرح خود خدا، روح، حشر ونشر وغیرہ کو معجزات (بمعنی اوہام و خرافات) قرار دیتا ہو اور جس کے نزدیک معجزات کا یقین جہالت و بربریت کی آخری نشانی ہو، جس کا فنا کردینا ہی علم وتمدن کی فتح ہوگی۔'' [1] تو ایسے آدمی کو آپ کسی معجزہ کا اس معنی میں کیونکر یقین دلا سکتے ہیں کہ وہ کسی غیبی قوت کا آفریدہ ہے یا جس شخص سے وہ ظاہر ہوا ہے، اس کے عالم غیب کے ساتھ رابطہ وتعلق (نبوت) کی آیت یا نشانی ہے؟ یقین کی اُوپر جو حقیقت بیان کی گئی ہے اس کے لحاظ سے معجزہ پر بہ حیثیت آیت نبوت کے یقین کرنے کے لیے ضروری ہے کہ غیب پر ایمان ہو جس کے بغیر یقین معجزہ کی خواہش کا پیدا ہونا ناممکن ہے پھر بھی جس شخص کی نسبت کوئی معجزہ بیان کیا جاتا ہو یا جس سے یہ ظاہر ہوا ہو، اس کی زندگی ﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾ (٦٨/ القلم:٤) کی تفسیر اور ظاہری وباطنی کمالات کا بجائے خود ایک معجزہ ہو، (یہ چیزیں خواہش یقین کے لیے مؤیدات کا کام دیں گی) اور سب سے آخری لیکن سب سے مقدم شرط یہ ہے کہ فرعون و ابوجہل کی طرح دل میں خصومت وعناد، خودی وخود بینی، ذاتی اغراض یا ہوا وہوس کے موانع یقین نہ موجود ہوں۔ جس طرح ان شرائط کی عدم موجودگی میں کوئی دلیل یقین معجزات پر آمادہ نہیں کرسکتی بالکل اسی طرح ان کی موجودگی میں کوئی دلیل یقین معجزات۔ سے باز نہیں رکھ سکتی۔

میرے ایک دوست جن کا شمار کم از کم مسلمانوں میں تعلیم جدید کے مستثنیٰ افراد میں سے ہے، آج سے چند برس پہلے مغربی عقل وحکمت کے شدید پرستار تھے اور وجود خدا کا ان سے اقرار کرانا، اس لیے ناممکن تھا کہ وہ مل کی منطق اور ہکسلے وہیگل کی تحقیقات سے نہیں ثابت ہوا تھا۔ قرآن میں ان کے نزدیک علم النفس کے بیسیوں دقائق مرعی تھے اور اس کا پیش کرنے والا پیغمبر اسلام (علیہ السلام) سکندر، اسپنسر، سقراط، ونپولین وغیرہ قائدین عظام ومصلحین عالم کی صف اول میں اپنی جگہ رکھتا تھا، تاہم اگر آیات قرآنی کو بہ حیثیت کلام الٰہی ان کے سامنے تلاوت کیا جاتا یا پیغمبر اسلام علیہ السلام کی مکارم اخلاق سے معمور زندگی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبری کے ثبوت میں بیان کیا جاتا تو وہ ''جواب جاہلاں'' کی باتمکین ''خاموشی'' یا زیادہ سے زیادہ ایک ''خندۂ تحقیر'' کی سزاوار تھی ظاہر ہے کہ بدعقیدگی کے اس عالم میں روایات معجزہ کی حقیقت اس سے زیادہ کیا ٹھہر سکتی ہے کہ وہ

[1] دیکھو ہیگل کی کتاب Wonders of Life (عجائبات حیات) باب ۳ معجزات۔

محض اپنے رواۃ کی خوش اعتقادیوں یا جاہلانہ عجائب پرستیوں کا مجموعہ ہیں۔ لیکن ادھر ان کی اس درجہ حیرت انگیز کایا پلٹ ہوئی ہے کہ عقلیات مغرب کا سارا طومار ان کے نزدیک "صد کتاب وصد ورق در نار کن" سے زیادہ کا مستحق نہیں ہے قرآن کریم "دقائق نفسیہ" کی جگہ "حقائق الٰہیہ" کا منبع بن گیا ہے "سیرت نبویہ ﷺ" کا ایک ایک حرف نبوت پر شاہد عدل ہے جو زبان جیمس اور واونٹ کی نفسیاتی تحقیقات سے رطب اللسان رہتی تھی اس کو انتہائی لذت اب صرف بزرگان دین کے مناقب، کشف وکرامات اور مسائل تصوف کے ذکر میں ملتی ہے حتیٰ کہ دور اول کے "ناصح احباب" کو اب خود ان پر "خوش اعتقادی" کا گمان ہونے لگا ہے۔

اس قلب ماہیت کا نتیجہ یہ ہے کہ انبیائے عظام علیہم السلام کا تو ذکر ہی کیا ملک کی موجودہ تحریک "ترک موالات" کے بانی کی ذرا غیر معمولی اخلاق سے آراستہ زندگی بھی ان کو روحانی کمالات ہی کا پرتو نظر آتا ہے انتہا یہ کہ ان کی طرف جوطرح طرح کی کرامتیں منسوب کی جاتی ہیں [1] ان میں ایک مشہور واقعہ بعض درختوں سے روئی جیسی ایک چیز کا نکلنا تھا میرے یہ دوست بھی اس کو تائید غیبی کی ایک نشانی سمجھنے میں شریک تھے میں نے کہا کچھ لوگ اس روئی کو کسی کیڑے کی رطوبت بتلاتے ہیں۔ کہا، اس سے کیا ہوتا ہے خدا نے اسی وساطت سے تائید کی ہوگی۔ شرائط یقین وغایت معجزات کے مقدمات بالا کو سامنے رکھ کر اب ذرا ریگستان عرب کے اس امی انسان کی زندگی، دعوت اور تعلیمات پر ایک سرسری نظر کرو، جس نے ساڑھے تیرہ صدی ادھر کوہ صفا پر کھڑے ہو کر اپنی نبوت کا اعلان کیا تھا۔

اس قدسی صفات انسان کی امانت ودیانت نے ہم وطنوں کی طرف سے اس کے لیے امین کا لقب حاصل کیا تھا اس کی راست گوئی دوست ودشمن سب کو یکساں تسلیم تھی، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جن کو پچیس برس تک آپ ﷺ کی زوجیت کا شرف حاصل رہا، وہ ایک موقع پر آپ کو تسلی دیتی ہیں کہ "ہرگز نہیں خدا کی قسم! خدا آپ کو کبھی غمگین نہ کرے گا، آپ صلہ رحم کرتے ہیں، مقروضوں کا بار اٹھاتے ہیں، غریبوں کی اعانت کرتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں، حق کی حمایت کرتے ہیں، مصیبتوں میں لوگوں کے کام آتے ہیں۔" [2]

اس اپنے پرائے کے غم خوار کی دعوت صرف یہ تھی کہ لوگو ((لا الہ الا اللہ)) کہو تو نجات پاؤ گے، اس دعوت سے باز رکھنے میں رؤسائے قریش جب ہر قسم کی تدبیروں سے تھک گئے تو انہوں نے آپ ﷺ کے سامنے حکومت کا تخت، زر وجواہر کا خزانہ اور حسن کی دولت پیش کی [3] اور بالآخر وہ وقت آیا جب آخری ہمدم ودمساز یعنی ابوطالب نے بھی ساتھ چھوڑنا چاہا۔ جس کا جواب اولو العزم من الرسول کی زبان سے فقط یہ ملا کہ "چچا جان! اگر قریش میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں تب بھی اپنے اعلان حق

[1] یہ تحریر گزشتہ تحریک ترک موالات کے شباب کے زمانہ میں لکھی گئی تھی اس وقت اس طرح کی بہت سی کرامتیں بانی ترک موالات کی زندگی اور اوصاف سے متعلق ملک میں پھیلی تھیں۔ [2] صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی: باب کیف کان بدء الوحی: ۳۔ [3] سیرۃ النبی ﷺ طبع ہذا حصہ اول، ص: ۱۶۱۔

سے باز نہ آؤں گا۔'' ❶ نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہیے تھا یعنی حق کامیاب ہوا لیکن کیا اس کامیابی سے داعیٔ حق ﷺ نے خود کوئی فائدہ حاصل کیا ہے؟

مسجد نبوی کے صحن میں آپ ﷺ کے سامنے مال غنیمت کے انبار لگ جاتے تھے ❷ مگر خود اس انبار کو تقسیم کرنے والے شاہ کونین ﷺ کی زندگی یہ تھی کہ آپ کھال کی چٹائی یا خالی زمین پر آرام فرماتے تھے۔ کاشانۂ نبوت گو انوارِ الٰہی کا مظہر تھا، تاہم اس میں رات کو چراغ نہیں جلتا تھا۔ ❸ کئی کئی دن تک فاقہ سے شکم مبارک پر دو دو تین تین پتھر بندھے ہوتے۔ گھر کا کام کاج خود کرتے۔ کپڑوں میں پیوند لگاتے، گھر میں خود جھاڑو دیتے، دودھ دوہ لیتے، بازار سے سودا لاتے، جوتی پھٹ جاتی تو خود گانٹھ لیتے، اونٹ کو اپنے ہاتھ سے باندھتے، اس کو چارہ دیتے، غلام کے ساتھ مل کر آٹا گوندھتے۔ ❹ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کی محبوب ترین اولاد تھیں جن کی عام خانگی زندگی یہ تھی کہ چکی پیسنے سے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے، بار بار مشک میں پانی بھرنے سے سینہ پر گھٹے پڑ گئے تھے گھر میں جھاڑو دیتے دیتے کپڑے چیکٹ ہو جاتے تھے لیکن بااین ہمہ جب انہوں نے آنحضرت ﷺ سے ایک بار گھر کے کاروبار کے لیے ایک لونڈی مانگی اور ہاتھ کے چھالے دکھائے تو آپ نے صاف انکار کر دیا کہ یہ فقراء و یتامیٰ کا حق ہے۔ ❺

اتنا ہی نہیں کہ آپ ﷺ دنیاوی عیش و آرام سے دست بردار تھے بلکہ دشمنانِ دین طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتے تھے گالیاں دیتے تھے۔ گو ''رحمۃ للعالمین'' کا ہاتھ ان کے حق میں بھی ہمیشہ صرف دعا ہی کے لیے اٹھتا تھا اور ان کے ساتھ نیکی ہی کا حکم فرماتے تھے۔ راہ میں کانٹے بچھا دیتے تھے، نماز پڑھنے میں جسم مبارک پر نجاست ڈالتے تھے۔ ایک دفعہ آپ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے، عقبہ بن معیط نے آپ کے گلے میں چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچی کہ آپ گھٹنوں کے بل گر پڑے۔ ❻ یہ سب کچھ تھا لیکن دعوتِ حق، نوعِ انسان کی ہدایت اور فلاح و بہبود کی تعلیمات کا کام بلا شائبہ تزلزل جاری تھا۔ کیوں؟ اس لیے کہ آپ کو اپنے فرستادۂ خدا ہونے کا اذعان، ہر وقت اس کی نصرت و معیت پر اعتماد اور بالآخر باطل کے زہوق اور حق کے غلبہ کا اسی طرح یقین تھا جس طرح تم کو رات کی تاریکی کے بعد طلوعِ صبح کا یقین ہوتا ہے کفار کی دشمنی اور ایذا رسانی سے تنگ آ کر ابو طالب سمجھاتے ہیں کہ ''جانِ پدر! اس کام سے ہاتھ اٹھا لو۔'' آپ ﷺ فرماتے ہیں:

کہ ''عمِ محترم! میری تنہائی کا خیال نہ کیجئے۔ حق زیادہ دیر تک تنہا نہیں رہے گا، عجم و عرب ایک دن اس کے ساتھ ہوگا۔'' کفارِ قریش بدنیتی (قتل) کے ساتھ آپ کے تعاقب میں نکلے ہیں، غارِ ثور جس میں آپ مخفی ہیں اس کے قریب پہنچ گئے ہیں کہ ''رفیقہ فی الغار'' (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) نے گھبرا کر عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ دشمن اس قدر قریب ہیں کہ ذرا نیچے جھک کر اپنے پاؤں کی طرف دیکھیں تو ہم پر نظر پڑ جائے گی۔'' آپ ﷺ

❶ سیرۃ النبی ﷺ طبع ہذا حصہ اول، ص: ۱۶۷۔ ❷ سیرۃ النبی ﷺ طبع ہذا حصہ دوم، ص: ۲۰۹۔
❸ ایضاً، ص: ۲۴۶۔ ❹ ایضاً۔ ❺ ایضاً۔ ❻ ایضاً۔

نے فرمایا کہ ﴿لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ (۹/ التوبة: ٤٠) ''غم نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے۔'' [1] ایک موقع پر آپ کسی درخت کے نیچے تنہا استراحت فرما رہے تھے کہ ایک بدو جو شاید اسی موقع کی تاک میں تھا، چپکے سے آیا اور آپ ﷺ کی تلوار درخت سے اتار کر نیام سے باہر کھینچ لی اور آپ کے سامنے آیا کہ دفعتہً آپ ہشیار ہو گئے، دیکھا کہ ایک بدو تیغ بکف کھڑا ہے جس نے پوچھا کہ اے محمد! اب تم کو کون بچا سکتا ہے؟ ایک پراطمینان صدا آئی کہ ''اللہ۔'' [2]

کیا تشنگان ایمان کے لیے خود یہ صدا معجزہ نہیں ہے؟ اور کیا جن لبوں سے یہ صدا نکلی تھی ان کو کوئی دیکھنے والا کاذب تصور کر سکتا تھا؟ اسی کا اثر تھا کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ پکار اٹھے کہ:

(ليس هذا بوجه كذاب) ''یہ جھوٹے کا منہ نہیں ہے۔'' [3]

یہ سمندر کے صرف چند قطرے تھے اور اگرچہ انسان کا ناقص قلم پیغمبرانہ سیرت کے تمام خط و خال کو کامل طور پر نمایاں نہیں کر سکتا، تاہم ''سیرۃ النبی ﷺ'' کے گزشتہ دو حصوں میں (جہاں سے یہ چند منتشر قطرات ماخوذ ہیں) انسانی ہاتھ سے جو نا تمام مرقع کھنچ سکا ہے، اسی سے تم بڑی حد تک اندازہ کر سکتے ہو کہ کسی پیکر بشری کے اندر ﴿وَإِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ (٦٨/ القلم: ٤) کی اس ''جامعیت کبریٰ'' کا ظہور بجائے خود اتنا بڑا اعجاز ہے، جس سے بڑھ کر کوئی معجزہ نہ طلب کیا جا سکتا ہے اور نہ پیش کیا ہے، نہ کیا جا سکتا ہے۔

ایسی اعجاز مجسم جامع ہستی کے متعلق جو صاحب شمشیر و نگین بھی ہو اور گوشہ نشین بھی، بادشاہ کشور کشا بھی ہو اور گدائے بے نوا بھی، فرمانروائے جہان بھی ہو اور سبحہ گردان بھی، مفلس قانع بھی ہو اور غنی دریا دل بھی، جس کی زبان ہمہ وقت ذکر الٰہی اور تسبیح و تہلیل میں مصروف ہو، جس کے پاؤں رات رات بھر نماز میں کھڑے رہنے سے آماس کرتے ہوں۔ اگر کوئی ایسا واقعہ بیان کیا جائے جو خدا کی طرف سے تائید غیبی کی نشانی یا آیت معلوم ہو تو اس شخص کو اس کے یقین و قبول میں کیا تامل ہو سکتا ہے جو خدا اور غیب پر ایمان رکھتا ہے۔ لیکن جو شخص ہیگل کی طرح خدا اور غیب ہی کا منکر ہو یا فرعون کی طرح خود اپنے کو خدا کہتا ہو ﴿أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلٰى﴾ (٧٩/ النازعات: ٢٤) یا جس کے قلب کو ابوجہل و ابولہب کی طرح کفر و عناد کی تاریکی نے سیاہ کر رکھا ہو اس کے سامنے بڑے سے بڑا معجزہ پیش کرنے پر بھی زیادہ سے زیادہ جواب یہ مل سکتا ہے کہ ﴿سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ﴾ (٥٤/ القمر: ٢)

یہی راز تھا کہ سیرت نبویہ ﷺ کے سارے دفتر میں بمشکل ایک آدھ ایسا واقعہ ملتا ہے کہ معجزات کی بنا پر لوگوں نے رسالت کی تصدیق کی ہو بلکہ عہد رسالت کے ہزاروں ایمان لانے والے وہی ہیں جن کے دل میں ایمان کا مزہ تھا اور جن کے لیے ''روئے و آواز پیمبر'' ہی اصل معجزہ تھا گو آج ظاہری روئے و آواز ہم سے مستور ہے لیکن معنوی آدمی قرآن اور حقیقی ''روئے پیمبر'' سیرت طیبہ ابد الآباد تک ذوق ایمان رکھنے والوں کے لیے معجزہ نمائی کرتی رہے گی۔ (ﷺ)

---

[1] سیرۃ النبی ﷺ حصہ سوم طبع ہذا حصہ اول ص: ۱۹۸۔ [2] سیرۃ النبی ﷺ طبع ہذا حصہ دوم ص: ۲۰۸۔
[3] ترمذی ٢٤٨٥؛ ابن ماجہ: ۱۳۳۴؛ مسند احمد، ٥/ ٤٥١۔

لُبِّ لُباب

گزشتہ مباحث کا لب لباب یہ ہے کہ :

① معجزہ نام ہے پیغمبرانہ اوصاف ومکارم اخلاق کے جامع انسان کے تعلق سے کسی ایسے واقعہ کے ظہور کا جس کی کم از کم بوقت ظہور عام علل واسباب سے توجیہ نہ ہو سکے۔

② ایسے واقعات بذاتِ خود عقلاً ناممکن نہیں، ان کی حیثیت زیادہ سے زیادہ ''انتہائی حیرت انگیز'' یا مستبعد واقعات کی ہوتی ہے، اس لیے بظاہر ان کو قبول کرنے کے لیے بھی نہایت غیر معمولی شہادت کی ضرورت نظر آتی ہے۔

③ لیکن دراصل یہ استبعاد ایسا نہیں ہوتا جس کی کافی مثالیں عام زندگی میں بھی نہ ملتی ہوں اور جن کے قبول کے لیے کسی غیر معمولی شہادت کا مطالبہ نہیں کیا جاتا۔

لٰہذا یقین معجزات کے لیے بھی معمولی درجہ کی قابل اعتماد شہادت کافی ہو سکتی ہے۔

④ مگر یقین صرف شہادت وغیرہ خارجی چیزوں سے نہیں پیدا ہوتا بلکہ اس کا دارومدار زیادہ تر یقین کی خواہش اور اس کے موانع ومؤیدات پر ہے جس کا تعلق بڑی حد تک خود یقین کرنے والے کے گزشتہ معتقدات ومزعومات سے ہوتا ہے۔

⑤ یقین معجزات کی خواہش کا پیدا ہونا موقوف ہے۔ ''ایمان بالغیب پر''

⑥ اگر غیب پر ایمان ہے اور فرعون وابوجہل کی طرح عناد وتعصب کے موانع موجود نہیں ہیں تو ساتھ ہی ساتھ انبیا کی نبوت کی زندگی اپنے احوال واخلاق کے لحاظ سے بجائے خود اس کی نبوت کی مؤید ہے تو معجزہ (بمعنی خارق عادت) کا کیا ذکر ہے خود پیغمبر کی آواز واصوات ہی معجزہ ہے۔

؎ در دلِ ہر کس کہ دانش را مزہ است
روئے وآوازِ پیمبر معجزہ است